

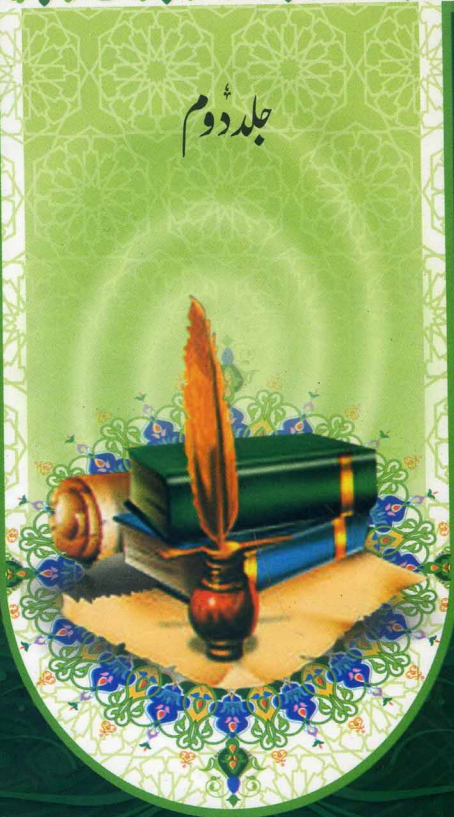
اربعین امام ربانی

جلد دوم

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباسی

شیر ربانی پبلیکیشنز لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳۲ ویں سالانہ

قومی امام ربانی کانفرنس

میں پڑھے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات

(منعقدہ ۲۲ فروری ۲۰۰۹ بمقام کانفرنس ہال، ہمدرد مرکز لندن روڈ لاہور)

ارمغانِ امام ربانی



جلد دوم

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

شیئر ربانی پبلیکیشنز لاہور

جامع مسجد قادریہ شیر ربانی ۲۱۔ ایکسپریس ہائیوے، منجھڑ، لاہور

سلسلہ اشاعت نمبر ۴۳

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	ارمغان امام ربانی (جلد دوم)
ترتیب و تدوین	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
پروف ریڈنگ	شاہد حسین
صفحات	۲۶۵
خطاطی	احمد علی بھٹہ
اشاعت	محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۰ء
تعداد	۱۱۰۰
ناشر	شیر ربانی پبلیکیشنز، لاہور
نگرانی و کمپوزنگ	محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی

ملنے کا پتہ:

مرکزی دفتر شیر ربانی اسلامک سنٹر

شیر ربانی روڈ، چوک شیر ربانی ۲۱۔ ایکٹر نسیم نیاز ٹمک من آباد لاہور

فون آفس: 042-7571809 موبائل: 0300-4299321

297-4

ارمغان امام ربانی، مرتب محمد ہمایوں عباس شمس، ڈاکٹر

ارم

لاہور، شیر ربانی پبلیکیشنز، 2010

265 ص

1- تصوف

فہرست

نمبر شمار	عنوان مقالہ	مقالہ نگار	صفحہ نمبر
۱۔	نعت رسول مقبول ﷺ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱
۲۔	کلام اقبال بکھور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	علامہ اقبال	۳
۳۔	اظہار تشکر	ڈاکٹر محمد ہمایو عباس شمس	۵
۴۔	افتتاحی کلمات	جمیل اطہر سرہندی	۷
۵۔	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور دوقومی نظریہ	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	۱۳
۶۔	تعلیمات مجددیہ کی ضرورت اور عصر حاضر	ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی	۴۲
۷۔	حضرت مجدد نے اپنی طرف دعوت نہیں دی، اتباع سنت اور اکابر اہلسنت کی طرف متوجہ کیا	پروفیسر قاری مشتاق احمد	۴۹
۸۔	عالمی سطح پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا اثر و رسوخ	پروفیسر محمد اقبال مجددی	۶۹

۸۲	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس	تکفیر مسلم میں حضرت مجددِ مہار	۹۔
۹۶	پروفیسر راغب الیاس شاہ	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اوراد و وظائف	۱۰۔
۱۰۹	ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	معارف (اعظم گڑھ) میں تذکارِ مجدد	۱۱۔
۱۲۵	ڈاکٹر محمد اکرم ورک	حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دعوتی منہج و اسلوب	۱۲۔
۱۳۷	ڈاکٹر محفوظ احمد	حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات	۱۳۔
۱۷۴	ڈاکٹر حافظ افتخار احمد خان	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا عربی اسلوب نگارش (عربی مکاتیب کی روشنی میں)	۱۴۔
۱۹۴	ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی	رسالہ تہلیلہ کا اسلوب نگارش	۱۵۔
۲۰۰	پروفیسر محمد عظیم فاروقی	مکتوباتِ امام ربانی کے فکری اور عملی پہلو	۱۶۔
۲۰۷	محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی	روئیداد	۱۷۔

نعت رسول مقبول ﷺ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اے شافعِ امِ شہِ ذی جاہ لے خبر
لے خبر مری لے لے خبر

دریا کا جوش ناؤ نہ بیڑا نہ ناخدا
میں ڈوبا تو کہاں ہے میرے شاہ لے خبر

منزل کڑی ہے رات اندھیری میں نابلد
اے خضر لے خبر مری اے ماہ لے خبر

پہنچے پہنچے والے تو منزل مگر شہا
ان کی جو تھک کے بیٹھے سرِ راہ لے خبر

جنگل درندوں کا ہے میں بے یار شبِ قریب
گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ لے خبر

منزل نئی عزیز جدا لوگ ناشناس
ٹوٹا ہے کوہِ غم میں پُر کاہ لے خبر

وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب
اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر

مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تیری راہ لے خبر

اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ لے خبر

پُر خار راہ برہنہ پا تھہ آبِ دور
موٹی پڑی ہے آفتِ جانکاہ لے خبر

باہر زبانیں پیاس سے ہیں آفتابِ گرم
کوثر کے شاہِ کٹہرے ————— رہِ اللہ لے خبر

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا
تیرا ہی تو ہے بندہ درگاہ لے خبر

بسم الله الرحمن الرحيم

کلام اقبال بحضور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند

ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار

عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا گلہ فقر سے ہو طُرہ دستار

باقی گلہ فقر سے تھا ولولہ حق
طُروں نے چڑھایا نشہ خدمتِ سرکار

۱

اظہار تشکر

ارمغانِ امام ربّانی کی اشاعت اور مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کے انعقاد میں جواہب کاوش و محنت کرتے ہیں ان کا شکر گزار ہوں۔ دراصل یہ احباب سرورِ ملت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی حیات اور بعد از وصال جواظہارِ محبت فرما رہے ہیں، یہ جلد اس محبت کا عملی ثبوت ہے چند نام جو ذہن میں ہیں درج ذیل ہیں:

- ۱۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
- ۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
- ۳۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی
- ۴۔ جناب جمیل اطہر سرہندی
- ۵۔ پروفیسر راغب الیاس شاہ
- ۶۔ جناب پروفیسر قاری مشتاق احمد
- ۷۔ جناب میاں محمد صادق قصوری
- ۸۔ جناب محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی
- ۹۔ صاحبزادہ غلام مصطفیٰ نقشبندی مجددی
- ۱۰۔ صاحبزادہ جنید سرور نقشبندی مجددی
- ۱۱۔ جناب خواجہ عمر فیاض

۱۲۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق حیدر

۱۳۔ جناب پروفیسر حافظ محمد نعیم

۱۴۔ جناب شاہد حسین

۱۵۔ جناب حافظ محمد سلیمان

۱۶۔ جناب کاشف حمید

۱۷۔ جناب پروفیسر محمد عظیم فاروقی

۱۸۔ جناب ڈاکٹر محمد اکرم ورک

۱۹۔ جناب ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

۲۰۔ جناب احمد علی بھٹہ

۲۱۔ محمد راشد مگھالوی

افتتاحی کلمات

جمیل اطہر سرہندی

صدر مجدد الفِ ثانی سوسائٹی، لاہور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسٹیج سیکرٹری جناب محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی نے مجھے اسٹیج پر بلاتے ہوئے جو تمہیدی کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اگرچہ میں اس کے لئے ممنون ہوں، لیکن میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میری صرف ایک ہی نسبت کافی ہے کہ میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر ”سرہند“ میں پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی نسبت ہے نہ کوئی رشتہ ہے نہ کوئی تعلق ہے صرف یہی اعزاز ہے جو میرے لیے فخر کا باعث ہے۔ اور تذکرہ تو مجھے مجدد الفِ ثانی سوسائٹی اور شیر ربّانی اسلامک سنٹر کی خدمات کا کرنا ہے لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ اپنے بزرگوں، اپنے اسلاف اور اپنے اُن رہنماؤں سے محبت اور الفت کا رشتہ، یہ وہ سرمایہ، یہ وہ توشہ، یہ وہ متاعِ عزیز ہے کہ ہم سب کو اپنے بچوں میں، اپنے ساتھیوں میں، اپنے رفقاءِ کار میں یہ محبت پیدا کرنی چاہئے۔ میں بھی اگر آج اس اسٹیج پر کھڑا ہوں اور آپ سے مخاطب ہوں تو صرف اس لئے ہوں کہ میرے والد نے مجھے میرے بچپن میں بتایا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں، انہوں نے کیا

کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ وہ اس ملت کے کتنے بڑے محسن تھے اور پھر جب میں 13 سال کا تھا اور ہم پاکستان آچکے تھے تو میرے والد صاحب مجھے سرہند شریف لے گئے۔ ہم نے وہاں دس روز قیام کیا تو وہ بیچ جو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی محبت کے انہوں نے میرے اندر بوئے تھے، اُن کی وجہ سے میں اس قابل ہوا کہ میرے قلم سے شیخ سرہند کے نام سے ایک کتاب نکلی جس کا عنوان میں نے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کے ایک مضمون سے لیا۔ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک ایسی ہی تقریب میں ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں انہوں نے پہلی مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی کے لئے ”شیخ سرہند“ کے الفاظ استعمال کئے اور میں نے وہیں سے یہ الفاظ لیے اور اپنی کتاب کا سرعنوان بنایا۔ مجدد الف ثانی سوسائٹی، لاہور ایک ربع صدی ہو رہی ہے اس کہانی کو، اس داستان کو جب ہم نے اسی شہر لاہور میں حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے موقع پر تقریبات منعقد کرنے کا اہتمام کیا اور اس کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ ہمارے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ ہم اس قوم کو بتائیں کہ یہ خطہ جو پاکستان کے نام پر ہمیں حاصل ہوا ہے۔ یہ ہمیں کسی طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا گیا، نہ ہندو نے ہمیں عطیے یا تحفے کے طور پر دے دیا تھا۔ اس کی بنیاد، اس کی فکری نشوونما حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، جنہوں نے اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندو رفتہ رفتہ، قدم بہ قدم حرم میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ اس طرح مسلمان بادشاہوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور انہیں اس طرف لے جا رہے ہیں جہاں وہ اسلام کا دامن چھوڑ کے ہندو کی تعلیمات، اس کے افکار، اس کے نظریات کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام اپنے قلم سے کیا۔ انہوں نے اس وقت کے حکمرانوں کے نام خطوط لکھے اور اُن کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ حضرت کا تمام علمی سرمایہ فارسی زبان میں محفوظ ہے جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی۔ مجدد الفِ ثانی سوسائٹی اور شیر ربّانی اسلامک سنٹر نے یہ کام کیا کہ اُس سرمائے کو اُردو میں منتقل کیا اور پھر اہل فکر و دانش کو دعوت دی کہ وہ ایسی مجالس میں تشریف لائیں اور حضرت کی زندگی کے مختلف پہلو اُجاگر کریں اور اس قوم کے فرزندوں کو بتائیں کہ یہ پاکستان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ پاکستان آج بھی اسی طرح خطرات میں گھرا ہوا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کے زمانے میں مسلمانوں اور اسلام کو ہندو کی ریشہ دوانیوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا آج پھر وقت ہے کہ ہم اس ملک کے ایک ایک فرد کو حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ اور یہ بتائیں کہ ہمیں پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنانے کے لئے کیا کرنا ہے اور دنیا کی بڑی غیر مسلم طاقتیں ہندوستان کو جس طرح اُکسا اور حوصلہ افزائی کر رہی ہیں کہ پاکستان کے پاک وجود کو ختم کر ڈالیں اور اُس کے لئے آج بھی طرح طرح کے ڈرامے رچائے جاتے ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف یہ کہ اہل فکر و دانش جاگیں اور بیدار ہوں اور اپنا فرض ادا کریں اور اس قوم کو اُن خطرات سے آگاہ کریں۔ جو اندرونی دشمنوں اور بیرونی دشمنوں سے یکساں طور پر لاحق ہیں۔ حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کی یاد میں قائم کردہ یہ سوسائٹی ہر سال نہ صرف یہ تقریب منعقد کرتی ہے۔ بلکہ اس میں پڑھے جانے والے تمام مقالات کو کتابی صورت میں شائع کرتی ہے۔ اس سال حضرت

مجدد الف ثانی کے بارے میں ”نذر مجدد“ کے نام سے ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک قیمتی دستاویز منظر عام پر آئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح حضرت مجدد کا تمام علمی سرمایہ محفوظ تھا اور محفوظ ہاتھوں میں سے ہوتے ہوتے ہمارے ہاتھوں تک پہنچ گیا۔ یہ سرمایہ ہمارے بعد آنے والی نسلوں کیلئے ہم محفوظ کر جائیں۔ مجدد الف ثانی سوسائٹی ایک خالص نظریاتی اور فکری تنظیم ہے۔ یہ نہ کسی کی حریف ہے نہ کسی کی حلیف نہ یہ کسی کی وظیفہ خوار ہے اور نہ کسی کی حاشیہ بردار۔ یہ ایک مقدس مشن اور مقصد کا پرچم لے کر قائم ہوئی تھی اور اُسی پرچم کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھنا چاہتی ہے۔ میں اُن تمام اصحاب کا ممنون ہوں جو سوسائٹی کی دعوت پر یہاں تشریف لائے اور اُن تمام سامعین کا بھی ممنون ہوں جو وقت نکال کر یہاں تشریف لاتے ہیں اور ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس سال کے دوران ہمیں ایک بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ فکر مجدد کے ایک بہت بڑے پرچم بردار مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان سے اٹھ گئے ہیں۔ حضرت نے مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے بڑا علمی سرمایہ حضرت مجدد کے موضوع پہ کام کر کے ہمارے لئے چھوڑا ہے کہ ہم بہت عرصے تک اُن کے احسان کا بدلہ چکا نہیں سکتے۔ انہوں نے حضرت مجدد پر چار سو سال کے دوران جو علمی کام ہوا ہے اُس کو پندرہ جلدوں میں ایک انسائیکلو پیڈیا کی صورت میں مرتب کر دیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح حضرت میاں جمیل احمد شرر قپوری صاحب نے یوم مجدد منانے کی روایت کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح اس بزرگ ہستی کی تعلیمات کو زندہ اور پابندہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ بھی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ ہمارے سرپرست اور ہمارے صدر اور

شیر ربّانی اسلامک سنٹر اور مجدد الف ثانی سوسائٹی کے سربراہ، پیر طریقت، حضرت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی صاحب شدید علیل ہیں۔ پچھلے دس پندرہ روز سے وہ ہسپتال میں داخل تھے، حقیقت یہ ہے کہ صوفی صاحب مرحوم ڈاکٹر مسعود احمد کی طرح عاشقِ مجدد ہیں اور انہوں نے اُن کی فکر کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگی، اپنا سرمایہ، اپنی تمام توانائیاں وقف کر رکھی ہیں۔ وہ پرسوں ہسپتال سے تشریف لائے ہیں لیکن بے حد کمزور ہیں۔ چند منٹوں کے لئے وہ اس کانفرنس میں تشریف لائیں گے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ اُن کو صحت دے۔ اُن کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور وہ جو علمی کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کا فیض تابدا جاری رکھے۔ میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی مجالس، بے مقصد نشست و برخاست کی مجالس نہیں ہونی چاہئیں۔ ان مجالس کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے عوام اور ملتِ اسلامیہ تک یہ بات پہنچائی جائے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس پاکستان کا تصور پیش کیا اور جس کے خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرا۔ اُس کی بنیاد، اُس کا بنیادی تصور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا اور حضرت نے سینکڑوں سال پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ اگر ہندو کا راستہ نہ روکا گیا تو یہ مسلمان اور اسلام کو کھا جائے گا۔ لیکن ہندو کو یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے تحفظ کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہر حالت میں اس کی حفاظت کرے گا۔ لیکن وہ ہر دور میں اپنے بندے پیدا کرتا ہے اور ان بندوں سے دین کے احیاء اور تجدید کا کام لیتا ہے۔ آج پھر ہمیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ مجدد روز بروز پیدا نہیں ہوتے لیکن حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے افکار ان کے علمی سرمایہ کی صورت میں ہمارے پاس زندہ اور

پابندہ صورت میں موجود ہیں۔ ہر وقت ہماری رہنمائی کے لئے، ہماری رہبری کے لئے، ہمیں یہ بتانے کے لئے کہ غلط راستہ کون سا ہے اور سیدھا راستہ کون سا ہے۔ آئیے! ہم عہد کریں آنے والے سال میں اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہلت دی تو ہم حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کے نور سے اپنے گھروں کو روشن کریں گے اور روشن رکھیں گے۔ اور اس پیغام کو گلی گلی، محلے محلے تک پہنچائیں گے۔

حضرت صوفی غلام سرور صاحب ابھی تشریف نہیں لائے لیکن ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب اور قاری مشتاق احمد صاحب موجود ہیں میں ان سے گزارش کروں گا کہ اب اس سوسائٹی کے کام کو ملک کے شہروں، قصبات اور گلی محلوں میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ خطرات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں لیکن ہمارا عام آدمی، ہمارے علماء، ہمارے رہنما، ہمارے صحافی، ہمارے اہل دانش شاید اُس خطرے کی سنگینی سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ اس مملکت کو ختم کرنے کے لئے کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں۔ آئیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے وطن عزیز کی حفاظت کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم چٹانوں میں، میدانوں میں پہاڑوں میں اور زمینوں میں پاکستان کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور دوقومی نظریہ

ڈاکٹر ظہور احمد ظہر

ڈین، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، فیصل آباد

برِ عظیم پاک و ہند کی تاریخ میں حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عالم دین صوفی ہیں جنہوں نے ہندو شناسی میں نام پیدا کیا اور دنیا کو خصوصاً اہل اسلام کو خبردار کیا کہ ہندو برہمن دنیا کا وہ تنگ نظر نسل پرست ہے جو نہ صرف یہ کہ اپنی برتری کا قائل ہے بلکہ اپنے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے مذاہب کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے اور ان سے شدید نفرت کا بھی قائل ہے، دوسرے لفظوں میں وہ پر امن بقائے باہمی کو نہیں مانتا اور اپنے علاوہ تمام انسانوں کو ملیچھ اور ناپاک سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ مل جل کر رہنے کو پاپ اور گناہ سمجھتا ہے بلکہ وہ تو ان سے چھو جانے سے بھی بھر شٹ یا ناپاک ہو جاتا ہے۔ غیر ہندو انسان کتنا بھی پاک و صاف ہو جائے، کیسا بھی صاف ستھرا اور نفیس لباس پہنتا ہو اور کس قدر بھی پاکیزہ طبیعت اور نیک دل ہو ہندو برہمن کے نزدیک وہ ناپاک ہے بلکہ مجسم غلاظت اور نجاست ہے۔ مسلمان اور خصوصاً برِ عظیم پاک و ہند کا مسلمان تو اس نسل پرست اور گھمنڈی برہمن کے لیے شدید ترین نفرت و حقارت کا مستحق ہے اور اس سے "اکھنڈ بھارت" یا پورے برِ عظیم جنوبی ایشیا

کو مسلمان سے پاک کرنا ضروری ہے، مسلمان کے لیے تو وہ صرف تین رستے تجویز کرتا ہے:

- (1) اس سرزمین سے نکل جاؤ اور پھر ادھر آنے کا نام بھی نہ لو۔
 - (2) یا مرنے اور قبرستان جانے کے لیے تیار ہو جاؤ، آزادی اور عزت کے ساتھ یہاں رہنے کا نام بھی نہ لو۔
 - (3) اگر یہاں رہنا ہے تو ہندو وانہ رہن سہن اپناؤ اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں "ہندو مزاج مسلمان" یعنی ہندومت کے ساتھ گھل مل کر رہو، وہی کچھ کرو جو کچھ ہندو کرتا ہے اور وہی کچھ بن کر رہو جو ہندو برہمن تمہارے لیے بننا پسند کرے اور وہ یہ ہے کہ ہندو معاشرہ کا پانچواں طبقہ بن کر رہو یعنی تمہارا درجہ ہندو اچھوت سے بھی کم تر ہوگا چنانچہ بھارتی مسلمان اب ہندو معاشرہ کا پانچواں طبقہ تصور کیا جاتا ہے!!
- یہ بھی معلوم رہنا چاہیے بلکہ اس پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ گھمنڈی اور مغرور برہمن کے بنائے ہوئے ہندو معاشرہ کے تین اعلیٰ طبقات، جن میں سب سے اونچا طبقہ برہمن کا اپنا طبقہ ہے، آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ چوتھا اچھوتوں (Untouchables) کا ہے جو غیر آریائی نسل ہے، یہ یہاں کے اصل باشندے ہیں جنہیں دراوڑ کہا جاتا ہے، یہ اچھوت ہزاروں سال سے ہندو معاشرہ کے اعلیٰ طبقات کے غلام اور خدمت گزار ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، وہ اعلیٰ ذات کے ہندو خصوصاً برہمن کے ساتھ چھو نہیں سکتے، بت خانہ میں برابر نہیں بیٹھ سکتے،

اس کے کنویں سے پانی تک نہیں پی سکتے، ان کے برتن کو چھونا اور اسے استعمال کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! مشہور اچھوت لیڈر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر جس نے گاندھی اور نہرو کے جھانسنے میں آکر بھارت کے لیے آئین تیار کر دیا ہے، وہ لکھتا ہے اور بڑے درد کے ساتھ لکھتا ہے کہ (۱):

"To the Untouchables, Hinduism is variable chamber of horrors. The iron Law of caste, the heartless law of karma and the senseless law of status by birth, are veritable instruments of torture, which Hinduism has farged against the Untouchables."

نچلی ذات کے ہندوؤں کا یہ لیڈر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ہندوستان واپس آیا تھا مگر یہاں آکر اسے گھمنڈی برہمن کی وہی ہزاروں سال پرانی چیرہ دستی اور سنگدلی کے دردناک مناظر دکھائی دیے تو اس نے اپنی کمیونٹی کے حقوق کی جنگ لڑنے کا عزم کیا تو برہمن، بنیاد حلقوں میں زلزلہ آگیا اور کانگریسی ہندو لرز اٹھے، انہیں ایک اور "محمد علی جناح" نظر آنے لگا تھا اور ہندو کی اکثریت کا غبارہ پھٹنے لگا تھا مگر سکھ لیڈر تارا سنگھ کی طرح اچھوت لیڈر ڈاکٹر بھیم

راؤ امبید کر بھی مکار برہمن سے مات کھا گیا تاہم وہ ہندو معاشرہ کے راز کھول گیا اور برہمن کو بے نقاب کر گیا، چنانچہ ڈاکٹر امبید کر برہمنی سماج میں ہندوستان کے اصلی باشندوں- دراوڑوں یا چھوٹوں کی زبوں حالی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے (۱):

"If a high caste Hindu was walking on the road, the low cast Hindus did not have the permission to walk on the same road lest the former becomes impure by the latters. Low caste Hindu should tie a black thread on his wrist or neck so that the high caste Hindu recongized him and did not touch him by mistake!

معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امبید کر بھی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ، سرسید احمد خان اور قائد اعظم محمد علی جناح کی ہندو شناسی سے متاثر تھا اور وہ جان گیا تھا کہ ہندو ازم یا ہندومت دراصل گھمنڈی برہمن کا بچھایا ہوا معاشرتی جال ہے جس میں وہ بدھ مت اور جین مت کو پھنسا کر فنا کے گھاٹ اتار چکا ہے، یہی برہمن ہے جس نے یہاں کے اصل اور قدیم باشندوں- دراوڑوں- کو ہزاروں سال سے غلام بنا کر رکھا ہے اور اب نووارد مسلمانوں کو بھی "ہندو مزاج مسلمان" بنا کر اپنے شکنجے میں لینے کے لیے کوشاں ہے کیونکہ اقتدار

پرست مسلمان حکمران کرسی کے نشے میں مست رہے اور یہاں کے مذہبی پیشوا فرقہ پرستی اور خود نمائی کے مارے اسلام اور اہل اسلام کے لیے کچھ کرنے سے قاصر رہے، اگر اولیاء اللہ اور اہل تصوف کی مخلصانہ کوششیں نہ ہوتیں اور حضرت مجدد جیسے امت کے خیر خواہ بروقت بیدار نہ ہوتے تو گھمنڈی برہمن اپنی عیاری میں کامیاب ہو جاتا اور پاکستان کا قیام ممکن نہ ہوتا، برہمن اپنے خود ساختہ طبقاتی معاشرہ کا دیوتا اور سہارا ہے، ہندومت اور برہمن ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں، ہندومت برہمن ہے اور یہی برہمن ہی ہندوازم ہے، بقول ڈاکٹر امبیڈکر: (۱)

"The Universe is under the power of the gods, the gods are under the power of the Mantras, the Mantras are under the power of the Brehmans. Therefore the Brehmans are our gods.

ہندومت اور برہمن کے حوالے سے ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ تجزیہ اور تنقید جہاں ان کے دلی درد اور پریشانی کی دلیل ہے وہاں یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ہندو شناسی سے متاثر ہونے کی بھی دلیل ہے، اسلام کی آمد کے وقت ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں نے تو محمد بن قاسم کی یلغار کا سامنا کر سکے اور نہ بعد میں خیبر کے رستے آنے والے مسلم فاتحین کا رستہ روک سکے،

اسلام کی چار پانچ سو سالہ حکمرانی کے دوران میں ہندو راجے سر اٹھاتے رہے مگر وہ مسلمان فاتحین کی طاقت کے سامنے خود کو بے بس اور مجبور پا کر "خفیہ پر امن سازشی کاروبار" تک محدود رہے، ایک طرف تو برہمن ان مسلم حکمرانوں کو خوشامد سے رام کرنے میں لگا رہا اور دوسری جانب نجلی ذات کے ہندوؤں کو اسلام کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے جتن بھی کرتا رہا، اس کے ساتھ ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں ہندومت کے جراثیم بھی چھوڑتا رہا، خصوصاً شادی بیاہ کی پرکشش رسوم سے مسلمانوں کو متعارف کراتا رہا، ذات پات اور چھوت چھات کے بھوتوں کو مسلمانوں پر بھی مسلط کر دیا تاکہ مسلمان بھی ہندوانہ رسوم کو اپنائیں اور ہندو مزاج مسلمان پیدا کرنے کے "قابل" بنا دیں چنانچہ نجلی ذات کا ہندو جس طرح ہندو معاشرہ کا اچھوت تھا اسی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد بھی "مُسْلِمِی" یا اچھوت ہی رہا، یوں اسلامی اخوت و مساوات جو شریعت مصطفویٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی شان تھی، وہ پس منظر میں چلی گئی! لیکن مغلیہ دور میں صورتِ احوال میں تبدیلی آگئی جس کی بنیادی اسباب میں سے ایک، مسلمان حکمرانوں اور فاتحین کی باہمی جنگیں تھیں جنہوں نے بابر کے بیٹے ہمایوں کو ایران بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا، اس کے علاوہ ہندو راجاؤں کی بار بار کی بغاوتیں تھیں، فرقہ پرست اور جاہ پسند مسلمان مذہبی پیشواؤں کی مار دھاڑ اور تکفیر بازی نے بھی مغل بادشاہوں کو پریشان کر دیا تھا خصوصاً جلال الدین اکبر جیسے جاہل مگردانگی اقتدار کے بھوکے حکمران نے اسلام کے خلاف معاندانہ روش اختیار کر کے توہین رسالت کا ارتکاب کر کے اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے رعب و وقار کو مٹانے کی ناپاک جسارت کی، اکبر کی اس اسلام مخالف روش نے ہندو برہمن کو حوصلہ دیا کہ اسلام پر

بھی ہاتھ صاف کئے جاسکتے ہیں اور اسے بھی بدھ مت اور جین مت جیسے انجام سے دوچار کیا جاسکتا ہے، اکبری دور میں صدیوں بعد گھمنڈی برہمن کو کھل کر کھیلنے کا اور اپنا آپ دکھانے کا موقع ملا تھا یا یوں کہہ لیجئے کہ ہندو نے اپنی پہچان خود کرا دی تھی! اور یوں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو ہندو شناسی کا شرف ملا! جس طرح صدیوں بعد اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو یورپ اور امریکہ سے واپس آ کر برہمن کو بے نقاب کرنے کا موقع ملا تھا اور اس نے ہندو مت کا ماتم کیا اس طرح ہندوستان میں اسلام کی آمد کے کئی صدیاں بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو بھی ہندو شناسی کا موقع ملا چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

”کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و آن جا تعمیر معبد ہائے خود می سازند، نیز کفار بر ملا مراسم کفر بجای آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز ند“ (۱)، یعنی ہندو بے تحاشا مسجدیں گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ مندر بن رہے ہیں، اس کے علاوہ یہ کفار اپنی کافرانہ رسوم بر ملا بجالاتے ہیں جبکہ مسلمان اپنے دین اسلام کے اکثر احکام بجالانے سے عاجز ہیں۔

مسلم ہندوستان کی تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی آمد کے پہلے مرحلے میں ہندو راجاؤں کی پے در پے شکست اور مسلم فاتحین کی مسلسل فتوحات نے ہندو کو اس قدر مرعوب اور شکست خوردہ بنا دیا تھا کہ اسلام اسے ناقابل شکست قوت اور مسلم فاتحین دائمی

حکمران محسوس ہونے لگے تھے، یہ مرحلہ محمد بن قاسم کی آمد سے شروع ہوتا ہے اور سلطنت دہلی کے لودھی بادشاہ ابراہیم اور ظہیر الدین بابر کے درمیان پانی پت کی فیصلہ کن جنگ پر ختم ہوتا ہے، اس پہلے تاریخی مرحلے میں سے اگر عربوں اور غزنویوں کے زمانے کو الگ کر دیں تو تاریخ اسلام کی باقی پانچ چھ صدیاں دراصل "فاتح اسلام" کی صدیاں ہیں، اس عرصہ میں ہندو اکثریت محکوم و مغلوب سمجھی جاتی رہی اور وہ مسلم حکمرانوں کو جزیہ ادا کرنے پر مجبور تھی مگر اس عرصہ میں مسلمان بادشاہ اپنے اقتدار کے لئے فکر مند رہے یا باہر سے آنے والے نئے سے نئے مسلمان فاتحین کا سامنا کرنے میں لگے رہے اور کسی کو جم کر حکومت کرنے یا اسلام کی دعوت و اشاعت کی حوصلہ افزائی کرنے کا موقع نہ ملنے کے برابر رہا، بیرونی حملوں سے دفاع اور مقامی شورشوں کو فرو کرنے میں وقت صرف ہوتا رہا، یوں لگتا ہے کہ مسلمان اہل علم و دانش فقہی مسائل اور حکمرانوں کی انتظامی مشینری کو رواں رکھنے میں الجھے رہے، انہیں مقامی لوگوں کی زبانیں سیکھنے اور اپنی عربی و فارسی سدھارنے سے فرصت ہی نہ مل سکی، ایسے دانشور بہت ہی کم تھے جو مقامی ہندو معاشرہ کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے اور طبقاتی بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہندو معاشرہ کی گہرائی میں اترنے کے قابل ہو سکے، یہ مرشد لاہور، سید جھویر حضرت داتا گنج بخش یا خواجہ اجمیر حضرت معین الدین چشتی سنجر علیہما الرحمۃ جیسے صوفی تھے جن کی بدولت بت کدہ ہند میں شجر اسلام کو جڑ پکڑنا نصیب ہو سکا، اگر بات فاتحین اور حکمرانوں تک محدود رہتی تو مسلم ہندوستان کا انجام بھی شاید مسلم سپین سے مختلف نہ ہوتا، آج اگر اسلام اس بر عظیم پاک و ہند کی ایک ناقابل شکست طاقت ہے تو اس کا سہرا ان اولیاء اللہ اور اصحاب طریقت کے سر ہے جو مرشد لاہور اور خواجہ اجمیر کے پیروکار اور جانشین تھے بلکہ ان بزرگوں کی سعی مشکور کو بھی بار بار دور کا وٹیں پیش آتی رہیں، ان میں ایک رکاوٹ تو مسلم

ہندوستان کے حکمران تھے جنہیں بار بار یہ خطرہ لاحق ہوتا رہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کی ہندو رعایا کو اسلام کا گرویدہ بنا کر حکمرانوں سے بغاوت پر آمادہ نہ کر لیں حالانکہ یہ اصحاب طریقت صوفیہ ہی تھے جو ان اقتدار پرست مسلم حکمرانوں کے خلاف اُٹھنے والی بغاوتوں اور شورشوں کو بھی فرو کرتے رہے بلکہ ان حکمرانوں میں سے جس کسی نے کسی صوفی سے کسی علاقے میں حالات سدھارنے کی درخواست کی تو اسے قبول کیا جاتا رہا۔

دوسری رکاوٹ چانکیا کا چیلہ گھمنڈی برہمن تھا جو فریب کاری اور دغا بازی سے صوفیہ کرام کی تبلیغی کوششوں کا رستہ روکنے کی کوششوں میں لگا رہا، ہزاروں سال سے ہندو برہمن کی غلامی اور ستیمگری کا ستیا ہوا شودر یا اچھوت کسی بزرگ کی تبلیغ اسلام اور مؤثر گفتگو کے نتیجے میں جوق در جوق اسلام کی طرف لپکنے لگتا تو مکار برہمن فسادات کی آگ بھڑکا دیتا اور تفرقہ بازی کا بازار گرم کر دیتا، حکمرانی کے مزے لوٹنے والے مسلمان بادشاہ کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگتا اور وہ ہر قیمت پر اس فتنہ کو فرو کرنے میں لگ جاتا، ایسے حالات میں اکثر و بیشتر الزام مبلغین اسلام صوفیہ کرام پر ہی لگتا، ہندو برہمن کا آج بھی اور ہمیشہ سے واحد تھہار یہی سازشی جال، فریب کاری اور جنگ و فساد ہی رہا ہے، جونہی وہ کسی غیر ہندو کو خواہ وہ مسلمان ہو، شودر ہو، سکھ ہو یا عیسائی ہو، کہیں پھلتا پھولتا دیکھتا ہے تو فسادات کی آگ بھڑکا دیتا ہے یا جنگ کا فتنہ کھڑا کر دیتا ہے۔ اگر ان طویل صدیوں میں یہ مسلم حکمران خود کچھ بھی نہ کرتے صرف ہندو برہمن چالوں کو سمجھ سکتے، مسلم دانشور فقہی الجھنوں اور مذہبی مناظروں سے نکل کر حالات کو سمجھ کر کوئی تدبیر کرتے یا کم سے کم اللہ کے ان نیک بندوں کی راہ میں روڑے نہ اٹکاتے تو آج عراق و مصر یا ایران و افغانستان کی طرح ہندوستان بھی مسلم اکثریت کا ملک ہوتا، یا کم سے کم اچھوت آزاد ہو

کر برہمن کی اکثریت کے گھمنڈ کو پاش پاش کر چکا ہوتا۔

دہلی کے تحت پر مغلیہ سلطنت کے قبضہ سے مسلم ہندوستان کی تاریخ کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اس مرحلے میں مسلم فاتحین اور حکمرانوں کا تصادم اور چپقلش عروج کو پہنچ جاتی ہے اور شیر شاہ سوری کی فاتحانہ یلغار مغل بادشاہ ہمایوں کو دہلی چھوڑ کر ایران بھاگ جانے پر مجبور کر دیتی ہے، اس سے قدیم ہندو راجاؤں کی نسل کے دلوں میں حکومت چھین کر مسلم حکمرانوں کو یہاں سے بھگا دینے کی ترنگ جاگ اُٹھتی ہے اور وہ کھل کر مغلوں کے مقابلے پر آنے لگتے ہیں اقتدار کی اس رسہ کشی کو عیار برہمن ہندو۔ مسلم تصادم کا نام دیتے ہیں جس سے تنگ آ کر مغل حکمران ایک متحدہ قوم۔ ہندو مسلم کا ملغوبہ کو جنم دینے کا جنون پالنے لگتے ہیں، یہ جنون جلال الدین اکبر جیسے جاہل مگر ذہین بادشاہ کے پچاس سالہ عہد حکمرانی میں عروج کو پہنچ جاتا ہے اور مسلم ہندوستان کی تاریخ کو ایک ہولناک دھچکا لگتا ہے، اگر یہی اکبر علماء و صوفیہ کی سرپرستی کرتا تو چند سالوں میں نچلی ذاتوں کے پچاس فیصد ہندو اپنا مقدس اسلام سے وابستہ کر سکتے تھے، اس سے مغلوں کو متحدہ قوم بھی میسر آ جاتی اور گھمنڈی برہمن کا غرور بھی ٹھکانے لگ جاتا مگر ہوا یہ کہ اکبر نے دین الہی کے ڈھکوسلے سے جو معجون ضلالت تیار کی تھی اس نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا کیونکہ:

1۔ اکبر نے اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین

تذلیل، انکار اور ظالمانہ چیرہ دستی سے صدیوں کے رعب و جلال کو خاک میں ملا دیا اس نے مسلمانوں کو تو زبردستی اپنا کلمہ "لا الہ الا اکبر خلیفۃ اللہ" پڑھنے پر مجبور کر دیا مگر ایک ہندو بھی اس معجون ضلالت کو نگلنے کے لیے تیار نہ ہو سکا، حتیٰ کہ اس کے وفادار

راجپوتوں۔ بھگوان داس اور مان سنگھ نے بھی اس کے دین الہی کو اس کے منہ پر دے مارا۔

2- ہندو برہمن کو حوصلہ ملا اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ وہ اسلام کو بھی بدھ مت اور جین مت کے گھاٹ اتار سکتا ہے، اکبر کے نعرہ متحدہ قومیت کو آگے بڑھا کر "مسلمانان ہندو مزاج" پیدا کئے جاسکتے ہیں، "ہندو مت و" (Hindutwa) کا نعرہ دراصل اکبر کے متحدہ نعرہ قومیت کا چر بہ ہے۔

3- اکبر کے اس جنونی اقدام کے اثرات کو ختم کرنے میں تین مسلمان بادشاہوں۔ جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر۔ کی قوت صرف ہوئی۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ زندگی نے اسلام کو اس کی آب و تاب تو واپس دلادی مگر اس کے نالائق جانشین حالات کو نہ سنبھال سکے

4- اکبر کے عہد میں مسلم ہندوستان پوری طرح ہندو راجپوتوں کی گرفت میں آ گیا تھا اور مغلوں کے ہندوستان میں ہندو انقلاب کی راہ ہموار ہو گئی تھی، مگر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنی درویشانہ تدبیر سے جہانگیر کا تعاون حاصل کر لیا اور درویش سرہند کی ایک ٹھوکر سے یہ انقلاب ناکام ہو گیا اور ہندو کے عزائم خاک میں مل گئے!!

5- ہندو کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ اکبر کے نعرہ متحدہ قومیت کا لبادہ اوڑھ کر فریب اور دغا بازی سے مسلمانوں کو "ہندو مزاج مسلمان" بنا کر ہندو ازم کا حصہ بنادیا جائے، کیونکہ ہندو برہمن اپنی فطرت اور اپنے مذہبی ڈھکوسلوں کے باعث کسی بھی مذہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کے لیے تیار نہیں ہے، وہ ہندو معاشرے کا

راکشش دیوتا بن کر اور طبقاتی معاشرے کا خدا بن کر حکومت کرنا چاہتا ہے جس معاشرہ میں "مسلمان ہندو" اچھوت ہندو کے چوتھے طبقے سے بھی کم تر پانچویں طبقہ کی حیثیت سے زندگی گزارے، اس طرح ہندو برہمن ایک طرف تو سیکولر اور جمہوری ہونے کا بھی دعویدار ہے مگر وہ اس کے ساتھ ہی اپنی نسلی برتری کا بھی قائل ہے اور طبقاتی معاشرہ کو محفوظ رکھنے کا آرزو مند بھی ہے، اس کے برعکس سیکولر ازم اور جمہوریت میں ہر مذہب کو مکمل آزادی اور تمام افراد معاشرہ کو مساوات کا حق حاصل ہوتا ہے۔

یہ تو ہے مسلم ہندوستان کی تاریخ کے تیسرے مرحلے کا ایک مختصر سا خاکہ جس میں حضرت مجدد کا خاص کردار نمایاں ہے مگر جب تک اس مرحلہ کی تفصیلات ہمارے سامنے نہ آئیں اس وقت تک دو قومی نظریہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخ ساز کردار اور عظیم الشان خدمتِ اسلام کا صحیح اندازہ ہمارے لیے مشکل ہے۔ اس سے پہلے کی چار پانچ صدیوں کے دوران میں محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری جیسے مسلم فاتحین کی پے در پے ضرباتِ مؤمنانہ نے ہندو برہمن کا مزاج درست کر کے اسلام اور اہل اسلام کو ناقابلِ شکست قوت قاہرہ ثابت کر دیا تھا اور اب گھمنڈی برہمن کے لئے سر جھکانے کے سوا اور کوئی رستہ نہیں تھا، ہندو کی مرعوبیت کا یہ طویل عرصہ بہت سے مؤرخین کے لیے ناقابلِ فہم ہے مگر باہر سے آنے والے مسلم فاتحین کا دہلی کے مسلم حکمرانوں سے تصادم، شکست و ریخت اور بعض کا راہِ فرار اختیار کرنا ہندو کو چونکا دینے

کے لئے کافی تھا، اسلامی تقویم کے پہلے ایک ہزار سال مکمل ہونے اور پھر ایران و ہندوستان میں مسلمانوں کے روپ میں بعض نام نہاد مفکرین کی فکری ہرزہ سرائیوں نے جہاں افکار و عقائد میں تلاطم پیدا کر دیا تھا وہاں مسلم ہندوستان کے تختِ شاہی پر اکبر جیسے جاہل اور ضعیف الاعتقاد بلکہ اسلام بیزار ملحد کا براجمان ہونا ایک ہزار سالہ مسلم رعب و دبدبہ اور وقار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا تھا۔ اگر مجدد الف ثانی جیسا درویش صفت مدبر مسلمان عالم اور صوفی نہ ہوتا تو شاید مسلم مغلیہ سلطنت "ہندو مغلیہ سلطنت" کا روپ اختیار کر لیتی، اکبر کے پچاس سالہ طویل دور حکومت میں مسلم ہندوستان ہندو راجپوتوں کے ہاتھوں "ہندو انقلاب" کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا مگر قدرت نے شیخ سرہند کو بروقت بیدار کر دیا اور ان کی مدبرانہ ضربِ کلیسی نے گھمنڈی برہمن کے خواب کو بکھیر کر رکھ دیا، بقول اقبال:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار
1۔ ظہیر الدین بابر کا بیٹا اور جلال الدین اکبر کا باپ ہمایوں جب

ایرانی کمک کے ساتھ ہندوستان واپس آیا تو شیر شاہ سوری کے جانشینوں سے مسلم ہندوستان کا تاج و تخت واپس لینے میں تو وہ کامیاب ہو گیا مگر اپنے ساتھ الحاد و زندقہ کے ملحق جراثیم بھی لے آیا تھا مگر ان مہلک جراثیم کی زد میں صرف مسلم معاشرہ ہی آیا جس کی

بنیادیں مسلم مذہبی پیشواؤں کی خود غرضی، خود نمائی اور جاہ پرستی کے علاوہ ہندو معاشرہ کے زہریلے جراثیم کے باعث پہلے ہی کھوکھلی ہو چکی تھیں، محمود پسیونی کی جس ملحدانہ نقطوی تحریک کو ایران کے شیعہ حکمرانوں نے بھی گوارا نہ کیا تھا اور اسے بُری طرح کچل کر رکھ دیا تھا اس کے یہ جراثیم جب مغلوں کے مسلم ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو انہیں نہ صرف موافق فضا اور آب و ہوا ملی بلکہ اکبر جیسا جاہل و ملحد مگر بے حد طاقتور بادشاہ بھی مل گیا، اکبر نے اپنے دین الہی کی "معجون ضلالت" انہی جراثیم سے تیار کروائی اور پھر اس معجون ضلالت کو فیضی اور ابوالفضل جیسے اسلام بیزار سیلز مین (Sales man) بھی مل گئے تھے۔

2۔ نام نہاد نقطوی تحریک کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ اسلام کا ایک ہزار سال بیت جانے کے بعد اب عربوں کا دور سیادت و قیادت قصہ ماضی بن گیا ہے اور اب اگلا ہزارہ اہل عجم کا ہے جس میں مذہبی اور فکری قیادت ایران یا ہندوستان کا حق ہے، اس کا اصل مقصد رسالتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انکار تھا، یہاں کے مفسرین نے اکبر کو انکارِ نبوت اور اپنی خلافت کے اقرار و اعلان کی پٹی پڑھادی "جاہل مہابلی" نے اس رائے کو اپنا لیا اور خود کو اگلے ہزارہ کے لیے "خلیفۃ اللہ" ہونے اور ایک ہزار سال تک "ہندو مغلیہ سلطنت" کو قائم و دائم رکھنے کے لیے دین الہی کے ڈھکوسلے کی صورت میں ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور زرتشتیت کے ملغوبہ سے تیار شدہ اپنی معجون ضلالت کا

اعلان بھی کر دیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسی لیے اپنی تصنیف منیف رسالہ اثبات النبوة میں ان تمام مفاسد کو اپنی ضربِ کلیسی سے زیرِ وزر کر دیا۔

3۔ جلال الدین اکبر کے عہد سے اب تک گھمنڈی برہمن جس امید پر زندہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو حیلوں بہانوں سے گھیر کر زبردستی یا برضاء و رغبت "ہندو مزاج مسلمان" بنایا جاسکتا ہے اور اس طرح مذہب اسلام کو بھی بدھ مت اور جین مت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے اسی لیے ہندو کانگریس نے مختلف حیلوں بہانوں سے انگریز کے جانے تک مسلمانوں کو متحدہ قومیت کا جھانسا دیکر خاموش رہنے کے لیے بڑے جتن کئے، مگر وہ سکھ قیادت کے ماسٹر تارا سنگھ اور اچھوت لیڈر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی طرح مسلمانوں کے قائد محمد علی جناح کو سہانے خواب دکھا کر دامِ فریب میں نہ پھنسا سکے۔ پھر کٹا پھٹا کرم خوردہ پاکستان بنا کر مسلمانوں کو ہندوستان کی سرزمین میں سے ان کا جائز حق دینے کی بجائے مسائل اور مشکلات میں لپٹا ہوا پاکستان بننے دیا جسے وہ 1971ء میں زبردستی اور سازش کے ذریعے دو ٹکڑے بھی کر چکے ہیں مگر پھر بھی ایٹمی پاکستان کو اسرائیل کے چالاک اور دغا باز یہودیوں کی مدد سے امریکہ کی اندھی فوجی قوت سے دولتِ خداداد کو اکھنڈ بھارت کا حصہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں، اسی لیے کشمیر سمیت دیگر الجھے ہوئے مسائل حل کرنے کے لیے آمادہ نہیں کیونکہ ہندو کے نزدیک مسئلہ کشمیر اور دیگر تمام مسائل کا بہترین حل تقسیم کی لکیر کا خاتمہ ہے تاکہ نسل پرست متعصب جنونی اور

گھمنڈی برہمن پورے برعظیم پاک و ہند کے پچاس کروڑ مسلمانوں کو کروڑوں چھوتوں کے ساتھ ملا کر سب کو اپنی بربریت، سنگدلی اور خود ستائی کی اندھی لاٹھی سے ہانکتا پھرے اور نام نہاد اعلیٰ ذات کی ایک حقیر سی اقلیت گھمنڈی برہمن کے روپ میں مسلط ہو جائے اور صدیوں کے بعد چوتھے طبقے کے اچھوتوں اور پانچویں طبقہ کے مسلمان اچھوتوں کا کوئی مشترکہ نیا ڈاکٹر امید کر کہنے پر مجبور ہو جائے کہ:

"They (Brehmans) began to arrogate powers and privileges for themselves. If a Brehman killed a non-Brehman, he would not be punished. He, by his birth is the Lord of the Universe. Even the wicked Brehman must be worshiped! Priest craft is bane of India ! A hundred million or so Brehmans suck the blood of these poor people without even the least effort for their amelioration. Is that a country or a hell? Is that a religion or the devil's dance!?"

حضرت مجددِ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ایک دور اندیش مدبر اور

طیب کی طرح حالات کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور معلوم کیا کہ اصل مرض کیا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں اور جڑیں کہاں کہاں ہیں، اس غرض کے لیے اکبر کے درباریوں اور خوشامدیوں کو قریب سے دیکھا اور ان کی صحبت "ناہم جنس" بھی گوارا کی کیونکہ جب تک مرض کی اچھی طرح تشخیص نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دانا و بینا طیب دوا اور علاج تجویز نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو اندازہ ہو گیا کہ:

1۔ اس خبیث مرض کا اصل سبب انکارِ نبوت ہے جو تو بین رسالت اور گستاخی رسول (ﷺ) کا ہولناک رنگ لیے ہوئے ہے۔ اور یہ کہ اس مرض کو ہوا دینے والے بگڑے ہوئے اور تاریک گمراہی میں مبتلا مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر ہندو برہمن نے بھی رنگ پکڑا ہے اور وہ اسلام، اہل اسلام اور مقدساتِ اسلام کی توہین، تذلیل اور تخریب پر پوری قوت اور حوصلہ کے ساتھ کمر بستہ ہو گیا، حق پرست اور حق گو مسلمانوں کو کسی رنگ میں برداشت نہیں کرتا، ان کی اہانت و تذلیل کو معمول بنالیا ہے، علماء کو قتل کروانا، قید و بند میں ڈالنا، جلاوطن کرنا، مساجد و مقابر تباہ کر کے "مہابلی" کے سرکاری خرچ پروہاں مندر تعمیر کرنا ایک معمول بن گیا ہے۔ خبیث مرض کے اسی پہلو کے لیے حضرت مجدد نے رسالہ اثباتِ نبوت تحریر فرمایا اور نظامِ سلطنت سے وابستہ راسخ العقیدہ مسلمان افسروں کو مکاتیب لکھے اور انہیں آنے والے خطرات سے آگاہ کیا اور تعمیری و اصلاحی تجاویز دینا شروع کر دیا۔

2۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس مرضِ خبیث کے موذی جراثیم وہ ہیں جو نقطوی تحریک والوں نے شہزادہ ہمایوں کے جلو میں ایران سے بھیجے تھے۔ اس موذی جراثیم میں سب سے بڑا خطرہ یہ احمقانہ خیال تھا کہ اسلام کے سایہ میں عربوں اور

رسولِ عربی ﷺ کی شریعت نے اپنی سیادت و قیادت اپنا ایک ہزار سال پورا کر کے طبعی عمر گزار لی ہے، اب اگلا ہزارہ اہل عجم کا ہوگا جسے اکبر بادشاہ نے اپنے لیے مختص کر لیا ہے اور نام نہاد دینِ الہی کی شکل میں وہ بھی قانون عطا کرنے والا (Law Giver) بن گیا اور اب اس کی یہ معجون ضلالت آئندہ ایک ہزار سال تک چلتی رہے گی اور مغلیہ سلطنت بھی "متحدہ قومیت" کے سایہ میں "ہندو مغلیہ سلطنت" کے روپ میں چلتی رہے گی چنانچہ اس "شاہی حماقت" کے ابطال کے لیے حضرت شیخ سرہند نے راسخ العقیدہ اہل طریقت اور علمائے صالحین کو مخاطب کیا، مکتوبات لکھے اور بتایا کہ ہزار سال کی مدت ایک باطل فسوں کاری ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے اکبری خلافت کی ہزار سالہ مدت ایک ڈھکوسلہ ہے! اس کے ساتھ ہی حضرت شیخ نے اسلامی تصوف کو خرافات سے پاک کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ تزکیہ نفوس اور صحیح اسلامی تربیت کا اصل طریقہ وہی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے مکی دور میں دارِ ارقم میں اور پھر مدنی دور صفہ مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اختیار فرمایا تھا اور جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت یافتہ جماعت تیار کی جس نے صرف ربع صدی کے اندر جزیرہ عرب کا مقدر سنوار دیا اور وقت کی دو سپر طاقتوں - روم و ایران - کو الٹ پلٹ کر ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کی ہمیشہ کی طرح آج بھی اہل علم و عدل مثالیں دیتے ہیں اور دنیا کو ایک ایسا تمدن دیا جس میں معاشرتی اخوت و مساوات کے ساتھ ساتھ بے مثال عدل و سلامتی بھی ہے اور جس کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

3- لیکن ان موزی جرائم میں سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک متحدہ قومیت کا اکبری تصور ہے، اسلام بلاشبہ عالمی انسانی برادری کو نہ صرف مانتا ہے بلکہ اس کا

زوردار علمبردار بھی ہے! مگر وہ "متحدہ قومیت" کے اس اکبری تصور کو مسترد کرتا ہے جسے مکار اور گھمنڈی برہمن نے ایک جال کے طور پر اپنا رکھا ہے اور جسے وہ اپنے نام نہاد ثقافتی انقلاب کے نعرہ ہندو وَا (Hindutwa) کے مترادف سمجھتا ہے اور جس کا مقصد ایسی مسلمان نسل پیدا کرنا ہے جو ہندو ازم کے رنگ میں رنگی جائے اور حضرت مجدد کی اصطلاح میں "مسلمانانِ ہندو مزاج" کہلانے کے قابل ہو جائے۔ یہ تو مسلمانوں کو فریب دے کر ہندو بنانے کے مترادف ہے، لیکن اسلام جس عالمی انسانی برادری کا علمبردار ہے وہ توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانے سے عبارت ہے اور وحدتِ نسلِ انسانی کے قرآنی تصور کو تسلیم کرنا ہے جس کی رو سے سب کا خالق رازق اور مالک صرف ایک خدا ہے اور سب کے سب انسان اسی ایک باپ آدم کی اولاد ہیں۔ ۱۔

اس لیے سب انسان برابر ہیں، کسی نسل کو کسی پر فضیلت و برتری حاصل نہیں، بقول شیخ سعدی۔

بنی آدم اعضائے یکدیگرند کہ در آفرینش ز یک جوہرند

چو عضوے بدرد آور در روزگار دگر عضوہا را نماد قرار

تو کز محنت دیگر اں بے غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی

۲

یہ متحدہ قومیت جو اکبر کے خناسی ذہن میں سمائی تھی وہ ایک ایسے ملغوبہ سے عبارت تھی جس میں ہندو اور مسلمان کی کھچڑی بننا تھا، دینِ الہی کی معجونِ ضلالت مسلمانوں کو زبردستی کھلائی جا رہی تھی، اسلامی شعائر کو تو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا، مسلم حکمران کہلانے کی وجہ سے مسلمان رعایا تو مغلوں کے اشارہ پر چلتی تھی، چونکہ دنیا پرست ملّا نے اکبر کو وقت کا مجتہد اور خلیفۃ اللہ مان لیا تھا اور اس کے احکام مسلم رعایا کے لئے تو واجب الاذعان بن گئے تھے اس لئے مسلم رعایا کی ایک معقول تعداد اکبر کا کلمہ پڑھنے لگی تھی جس میں اچھے خاصے "مسلمانانِ ہند و مزاج" بھی بن گئے تھے جو "بامسلمان اللہ اللہ بابر ہمن رام رام" کرنے لگی تھی اس لیے اسلامی شعائر اور رسومات حتیٰ کہ "محمد خان یا احمد خان" کے نام بھی ممنوع قرار پا گئے تھے لہذا جاہل اکبر کو زرتشتیت، یہودیت، عیسائیت، بدھ مت اور ہندومت کے شعائر و عبادات سے اپنی معجونِ ضلالت تیار کرنا پڑی تھی لیکن کم سے کم پچاس فیصد کم باتیں ہندومت کی تھیں تاکہ ہندو خوشی سے دینِ الہی میں فوج در فوج اور جوق در جوق داخل ہو جائیں مگر ایک ہندو نے بھی مجتہد العصر خلیفۃ اللہ علی الارض کے اس نئے دین اور متحدہ قومیت کے تصور کو قبول نہ کیا۔ حتیٰ کہ اکبر کے محبوب جوان راجپوتوں۔ بھگوان داس اور مان سنگھ۔ نے بھی یہ معجونِ ضلالت "اپنے مہابلی" کے منہ پر دے ماری تھی۔ تاہم اسلام کا زور توڑنے کے لئے اکبر کی یہ نام نہاد "متحدہ قومیت" ایک نسخہٴ کیمیا اور تیر بہدف علاج معلوم ہوئی جس پر عمل کرانے کے لیے مکار برہمن نے ریاست کی ہندو مشینری کو پوری قوت کے ساتھ استعمال کروانا شروع کیا، مخالفت کرنے والے علماء کو قتل کروایا، جلاوطن کروایا اور قید میں ڈلوایا تاکہ "مسلمانانِ ہند و مزاج" کی ایک معتد بہ کھیپ تیار ہو جائے جن کے نام تو بے شک مسلمانوں کے

سے ہوں مگر مندر میں بتوں کے سامنے "بابر ہمن رام رام" کرنے میں بھی خوشی محسوس کریں جو ایک دونسلوں کے بعد پکے اور سچے ہندو بن کر بدھوں اور جینیوں کی رو میں بہہ جائیں گے، اسلامی شعائر سے جب بیگانہ ہو گیا تو پھر "ہندو ٹ و ا" کے رنگ میں تو خود بخود رنگ جائیں گے۔ تو اکبر کے دین الہی نے مسلمانوں کے ساتھ یہی کھیل کھیلا، وہ ان تمام شعائرِ اسلام سے دور ہو گیا جنہیں اکبر نے ممنوع قرار دیا تھا، مشہور مستشرق مسٹر گیرٹ (Garret) لکھتا ہے:

"The study of Arabic was discouraged. The practice of shaving the beard was introduced. The Muslim era was changed for a solar year. The custom of prostration before the King was also introduced to the disgust of orthodox Muslims. No new mosques were built and old ones were not repaired. Akbar's mode of life on the whole ceased to be that of a Muslim and constantly approached to the Hindu idea of Dharma as modified by himself(1)"

غیر جانبدار مستشرق کی رائے ہے، اس سے نام نہاد متحدہ قومیت کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے جو اکبر بادشاہ سے ہندو برہمن کو ورثہ میں ملی ہے اور جسے ہندو کانگریس نے ایک گمراہ کن

نعرہ کے طور پر تقسیم سے قبل بھی اپنائے رکھا اور تقسیم کے بعد بھی یہی نعرہ اپنایا ہوا ہے جسے پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ کانگریس کے ہمنوا بھولے بھالے مسلمان بھی اسی متحدہ قومیت کے جھانسنے میں رہے۔ انتہاء پسند ہندوؤں بلکہ کانگریس کے منافقین کے برعکس چلنے والے اصلی ہندوؤں نے اس متحدہ قومیت کو کھل کر واضح کر دیا ہے اور وہ اب "ہنڈُٹ وَا" کے علمبردار بن گئے ہیں کیونکہ اب ہندو کو کسی پردہ داری یا منافقت کی ضرورت نہیں رہی۔ اب وہ کھل کر اکبر کی متحدہ قومیت کو واضح کرنے میں لگے ہیں۔ اس لیے کانگریسی ہندوؤں کی متحدہ قومیت یا صاف گو مگر گھمنڈی برہمن کی ہندت وادونوں کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے مسلمان کو ہندو مزاج بنانا اور بالآخر ہندومت میں مدغم کرنا۔ کیونکہ طبقاتی تقسیم کی لعنت میں گرفتار اور نسل پرست ہندو چھوت چھات پر ایمان رکھتا ہے اور کسی مذہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا قائل ہی نہیں۔ وہ تہرے خیمے میں پھنسا ہوا ہے اور بے چین ہے:

1- تاریک زمانوں میں اس کے آباؤ اجداد نے دراوڑوں کو چھوت چھات کے پنجرے میں بند کر لیا تھا جسے آج کے علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے روشن دور میں بھی گھمنڈی برہمن نے اسی طرح جکڑا ہوا ہے۔ بدھا، نے برہمن کے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ پھر جینیوں نے ہندو بریت اور سنگدلی سے بغاوت کی تھی مگر آج نہ بدھ ہیں نہ جینی ہیں۔ چالاک برہمن نے بابا گرو نانک جی کے پیروکاروں۔ سکھوں۔ کو بھی شیشے میں اتار لیا ہے۔ ہندو برہمن کے دماغ میں خناس یہ سما یا ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کو بھی بدھوں اور جینیوں کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔

2- اکبر نے اسلام چھوڑ کر قشقہ لگا لیا تھا اور زبردستی مسلمانوں کو متحدہ

قومیت کے نام پر اپنے ڈھکوسلے دین الہی کا پیروکار بنا لیا تھا اور "ہندو مزاج مسلمان" یعنی ہندو ازم کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلمانوں کی ایک معقول تعداد پیدا کر لی تھی جو نام کے تو مسلمان تھے مگر وہ اپنے دل و دماغ سمیت ہندومت میں ڈوب چکے تھے۔ چنانچہ انکی دوسری تیسری نسل یا تو ہندو ازم میں مدغم ہو گئی یوں جو مدغم نہ ہو پائے وہ ہندو مزاج مسلمان کے طور پر برہمن کے کام آتے رہے اور آ رہے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی کئی نئے ہندو مزاج بھی پیدا ہوتے رہے جو کبھی گاندھی بھگت کہلانے پر خوش رہے اور کبھی نمائشی طور پر کام آتے رہے۔ انہی کے ذریعے عیار برہمن دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے نام نہاد سیکولرزم کی کھال بچاتا رہا۔ تاہم برہمن کا خیال کہ اکبر کی متحدہ قومیت اپنا کر مسلمانوں کو آسانی سے ہندو مزاج بنا کر اسلام کو بدھ مت، جین مت اور دراوڑوں کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔ اس نے اکھنڈ بھارت اور رام راج کے لئے اب متحدہ قومیت کی بجائے "ہندت وا" کا نعرہ ایجا کر لیا ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا ہے کہ اگر یہی لیڈر اور یہی ملّا رہیں تو پاکستان کا کائنات جلد یا بدیر نکل جائے گا پھر خوشی سے نہیں تو زبردستی مسلمانوں کو ہندو مزاج کیا ہندو نواز بھی بنایا جاسکتا ہے۔

3۔ انگریز جاتے جاتے برہمن کو جمہوریت میں اکثریت کی حکومت لوری سنا گیا ہے۔ ہندو برہمن جلد سے جلد ایشیا کی سپر پاور بننے کی فکر میں ہے۔ لیکن پاکستان اور مسلمان دوا ایسے لفظ ہیں جو بدست برہمن کو چونکا دیتے ہیں بلکہ لرزادیتے ہیں۔ اس کا سپر پاور کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے اور نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ وہ کشمیر اور سیاحت سمیت علاقائی مسائل حل کرنے یا پر امن بقائے باہمی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اسے تو مذکورہ تمام رکاوٹیں دور کر کے سپر پاور بننے میں دلچسپی ہے۔ ان تین مخصوص کے علاوہ

ہندو برہمن ایک چوتھے مخمضہ میں بھی جکڑا ہوا دکھائی دیتا ہے اور یہ ہے تاریکی میں ڈوبے رہنے کا مخمضہ۔ ہندو کا خیال یہ ہے کہ دنیا آگے کی بجائے پیچھے کی طرف جائے گی۔ تاریک زمانے لوٹ کر آتے جائیں گے۔ یہ علم و ہنر کی روشنی عارضی شے ہے۔ دنیا میں نہ انصاف ہوگا نہ برابری اور مساوات کی بات ہوگی اور نہ انسانی حقوق کا معاملہ اٹھے گا۔ ہندو معاشرہ اسی طرح چار طبقات میں جکڑا رہے گا۔ نہ چوتھے طبقے کے دراوڑ اچھوت ہونے کے خلاف بول سکیں گے اور نہ ہی پانچویں طبقے کے نئے اچھوت مسلمانوں کی کوئی آواز ہوگی، بس برہمن کی خدائی ہوگی۔ پرانے اور نئے اچھوت خواہ معاشرہ کا اسی فیصد بھی ہو گئے تب بھی بات برہمن کی حقیر اقلیت ہی کی چلے گی۔

ہندو کی یہ پہچان سب سے پہلے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے کروائی اور بار بار امت مسلمہ کے قائدین کو خبردار کرتے رہے کہ ہندو کو جب بھی قدرت حاصل ہوئی جیسا کہ اسے اکبر کے دور میں حاصل ہو گئی تھی تو وہ مسلمانوں کو کبھی معاف نہیں کریں گے اور ہمارے ماضی و حال کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس میں رہ کر ہندو شناسی میں کمال حاصل کیا تھا۔ جس طرح حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے درباریوں، خوشامدیوں اور ضمیر فروشوں کو قریب سے دیکھ کر ہندو کو پہچانا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کو ان خطرات سے بچانے کا فیصلہ کیا تھا۔ قائد اعظم نے بھی ہندو ذہنیت کو اچھی طرح جان کر اور سمجھ کر ہندو اکثریت کو خونخوار اکثریت (Brutal Majority) قرار دیا تھا۔ انہیں ہندو پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ تحریک آزادی سے لیکر قیام پاکستان تک اور قیام پاکستان سے لیکر آج تک ہر قدم پر ہندو نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور

قائد اعظمؒ کے خیالات اور خدشات درست تھے۔ ہندو چانکیائی فلسفہ کا پیروکار ہے جس میں شیطانی فکر کی تمام خرافات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔ ہندو جب بھی کمزور اور مغلوب ہوتا ہے تو اس کا ہتھیار خوشامد اور سازش ہے اور جب اسے انتقام کا موقع ملتا ہے تو اگلے پچھلے حساب چکا کر دم لیتا ہے۔ ہندو بدترین ہمسایہ، بدترین ہم وطن اور بدترین دوست ہے اور یہی چانکیہ کا فلسفہ ہے۔ وہ جب بھی جنوبی ایشیا میں قیام امن کی بات کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنے ہمسایہ کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے کی فرصت حاصل کرنا ہوتا ہے اور جب وہ متحدہ قومیت یا پاکستان سے اتحاد کی بات کرتا ہے تو اس کے پیش نظر ”ہندت وا“ کی بنیاد پر اکھنڈ بھارت اور رام راج کے لئے زمین ہموار کرنا ہوتا ہے۔ ہندو کی اس عیاری اور منافقت کی نشاندہی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمائی تھی اور یہی حقیقت قائد اعظمؒ پر بھی عیاں تھی۔ جدید دور کا ایک مسلمان محقق ہندو کی انہی چال بازیوں اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اسی تاریخ ساز کردار پر متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"The Hindus were always in overwhelming majority as regard the population and as such the unity with them would automatically amount to finishing up of their (Muslims) individuality as separate nation in the Sub-Continent. This type of ideology for the first time appears to be working in the days of Mughal Emperor Akbar (963-1014

A.H.) when in the form of Deen-e-Elahi, what really intended was to merge Islam into Hinduism. At that time Mujadid Alf-e-Sani, the great Muslim mystic appeared on the scene and sternly opposed the Deen-e-Elahi of Akbar at the risk of his own life. Through his writing (i.e. letters) the Mujadid proved the supremacy and self-dependence of Islam".(1)

دوقومی نظریہ یا دوسرے لفظوں میں نظریہ پاکستان صرف اتنی سی بات نہیں تھی کہ مسلمان قوم ہندو قوم سے الگ ایک مستقل قوم ہے بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندو ایک ایسی قوم ہے جو نسلی برتری پر یقین رکھتی ہے۔ کسی دوسری قوم یا مذہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کی قائل ہی نہیں اور مسلمانوں کو تو ملیچھ اور ناپاک سمجھتی ہے۔ یہی نہیں انہیں تو برداشت کرنا تو رہا ایک طرف وہ تو مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے بر عظیم جنوبی ایشیا کو ان کے وجود سے پاک کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ ہندو اگرچہ باہر سے آنے والے آریا ہیں جنہوں نے یہاں کے اصل باشندوں کو شورو یا اچھوت کے نام سے غلام بنا رکھا ہے۔ لیکن خود کو اس سرزمین بر عظیم پاک و ہند کا اصل باشندہ یا مالک تصور کرتے ہیں اور مسلمان ان کے نزدیک باہر سے آگھنے والے ہیں۔ جنہیں اس سرزمین پر کوئی

حق حاصل نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک انتہائی نامعقول رویہ ہے اس لیے ناقابل تسلیم ہے۔ ہندو قوم کے برعکس مسلمان نسلی برتری یا رنگ کی تفریق کے قائل نہیں، بلکہ وہ تو تمام انسانوں کو ایک ہی قادر مطلق کی مخلوق اور ایک ہی باپ حضرت آدمؑ کی اولاد مانتے ہیں۔ وہ کسی چھوت چھات اور ذات پات کو بھی نہیں مانتے۔ یہ بنیادی اختلاف بھی مسلمانوں کو ہندوؤں سے ایک الگ قوم یا امت بنادیتا ہے اور یوں ہندو اور مسلمان ایک قوم نہیں ہو سکتے۔ مسلمان برہمن کی برتری اور انسانی معاشرہ کو طبقات میں تقسیم کرنے کے تصور کو بھی مسترد کرتے ہیں بلکہ ”انما المؤمنون اخوة“ (1) مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پر ایمان رکھتے ہیں، حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اکبر کو اس اخوت و مساوات کا پرچار کر کے اچھوتوں کو برہمن کے چنگل سے آزاد کرانے کی نہ سوجھی۔ مشورہ دینے والوں نے اسلام کی بنیاد پر ہندوستان کے لیے ایک متحدہ امت اور دلی طور پر باہم شیر و شکر رہنے والے بھائیوں پر مشتمل متحدہ قومیت کا مشورہ اکبر کو نہ دیا۔ دراصل اس کے نام نہاد مسلمان مشیر بھی اسلامی اخوت و مساوات پر ایمان نہیں رکھتے تھے لہذا انہوں نے بھی اکبر کو ایک ایسی مذہبی پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جس کا مقصد آخر کار ہندومت کا غلبہ تھا، اس ضمن میں مشہور محقق مجددیت ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی بات بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

”مغل بادشاہ اکبر کی حکمت عملی جس پر وہ اپنے دور حکومت میں ہمیشہ عامل رہا دراصل مسلمانوں کے شعور مذہبی کو ضعف اور صدمہ پہنچانے کے لئے وضع کی گئی تھی اس

کے بعض پہلوؤں سے ان کے جذبات مشتعل ہو گئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں اسلام ختم ہو گیا ہے، ایک ہمعصر مؤرخ اور جوشیلا مسلمان ملا عبد القادر بدایونی اکبر کے عہد حکومت کے خلاف اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس سے وہ بے چینی اور اضطراب جس میں مذہبی مسلمان ان دنوں مبتلا تھے پوری طرح نمایاں ہو جاتے ہیں، ملا عبد القادر بدایونی کی رائے ہے کہ بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا رخ اسلام سے پھیر لیا تھا" (۱)

اکبر بادشاہ نے جس ہندو پر بھروسہ کیا وہ اس قابل ہی نہیں تھے، ہندو لیڈر اور کارندے اس کی مذہبی حکمت عملی کو صرف اس لئے چلا رہے تھے کہ اس سے ہندوستان میں اسلام کا نام و نشان بھی مٹ جانا تھا اسی لیے ہندو آج بھی اکبر بادشاہ کے گن گاتے ہیں اور اسی کی متحدہ قومیت کی پالیسی کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اسی ہتھیار سے مسلمانوں کو "ہندو مزاج" بنا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، اس ضمن میں ایک اور محقق سردار علی قادری کا خلاصہ کلام اور تبصرہ بھی قابل توجہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ بات صحیح ہے کہ (اکبری عہد میں) ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری اور کسی قدر سیاسی افہام و تفہیم کا عنصر بھی نظر آتا ہے یہ اور بات ہے کہ ہندو کبھی بھی مسلمان کا بہتر اور قابل اعتماد دوست ثابت نہیں ہو سکتا، لیکن جس رواداری کا مظاہرہ اکبر نے کیا تھا اسے رواداری کہنا سراسر زیادتی ہوگی، وہ تمام حدود و قیود پھلانگ

چکا تھا (جس طرح ہندو رواداری کے نام پر مسلمانوں کو ہندو مزاج بنانے میں تمام حدود و قیود پھلانگنا چاہتے ہیں) ہندو دھرم کے گہوارہ میں قائم ہونے والی اسلامی سلطنت دوبارہ ہندوؤں کے پاس جا چکی تھی جس کا حکمران نام نہاد مسلمان تھا جو مکمل طور پر ہندوؤں کے (ہاتھ میں) کھٹ پتلی کا کردار ادا کر رہا تھا اور فی الحقیقت اس کی حکومت کو بھگوان داس اور مان سنگھ چلا رہے تھے" (۱)

یہ تبصرہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے لئے خراج تحسین کا حکم رکھتا ہے کہ انہوں نے ہندو انقلاب کی دہلیز پر پہنچی ہوئی مغلیہ سلطنت کو دوبارہ صحیح رستہ پر ڈالا اور مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ وہ عیار برہمن پر کبھی اعتماد نہ کریں کیونکہ وہ نہ تو مسلمانوں کا دوست ہے اور نہ وہ پر امن بقائے باہمی پر یقین رکھتا ہے، بت پرست اور یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک متحدہ قومیت یا دوست کی شکل میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے! حقیقی مسیحیت چونکہ رواداری اور تواضع کی قائل ہے۔ اس لیے وہ تو مسلمانوں کے دوست بن سکتے ہیں اور کسی ایک ملک میں ایک ساتھ بھی رہ سکتے ہیں مگر ہندو مشرک اور یہودی حاسد اسلام کو گوارا نہیں کر سکتا!

تعلیمات مجددیہ کی ضرورت اور عصر حاضر

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

صدر مرکز تحقیق فیصل آباد

بحمد اللہ آج ہم سب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی دینِ حنیف کی اشاعت و صیانت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ آئیے مجدد علیہ الرحمۃ کے مشن کو جاری رکھنے اور توانائی عطا کرنے والی ذات کو خراجِ محبت سے ابتداء کریں۔ صوفی غلام سرور نقشبندی صرف ایک مرد درویش ہی نہیں ہیں ایک جواں ہمت انسان بھی ہیں جن کی مساعی مجددی مشن کو جاری رکھنے میں معاون ہے، ان یادگاری تقریبات کے محرک صوفی صاحب ہی ہیں جو کہ آج کل صاحبِ فراش ہیں۔ آئیے سب مل کر اس تگ و دو کے متحرک کی صحت یابی کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائے تاکہ مشن آگے بڑھتا رہے۔ آمین

اس گفتگو کی تمہید کے طور پر ایک دُکھ کا بھی اظہار کرنا ہے کہ حال ہی میں احساس کو ایسا دھچکا لگا ہے جو آج تک پریشان کر رہا ہے۔ اسی جمعہ کی شب یعنی دو دن قبل سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوا کہ وہاں مجددیہ سلسلہ کے حوالے سے ایک تقریب تھی۔ ایک مسجد میں تقریب کا اہتمام تھا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی روح کانپ اٹھی کہ وہ مسجد مولانا کمال الدین تھی۔ یہی وہ مسجد تھی جہاں مجدد علیہ الرحمۃ پڑھتے رہے ہیں۔ آپ اس مسجد

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے رہے ہیں۔ سوچنے لگا کہ یہ مسجد مجددیوں کا سرمایہ نہیں؟ کیا یہ درس گاہ مجددیت کے فروغ کے لئے نقشِ اوّل نہیں؟ یقیناً ہے لیکن جب انکشاف ہوا کہ یہاں اب ایک بھی مجددی نہیں ہے۔ مجددی حضرات تو منتظمین کی نوازش سے وہاں سال میں ایک جلسہ کر لیتے ہیں، چند گھنٹوں کے بعد مسجد سے یوں رخصت ہو جاتے ہیں کہ اس سے کوئی تعلق قائم نہیں رہتا۔ یہ سننا تھا کہ بدن پر لرزش طاری ہوگئی اور سیالکوٹ کے ایک سپوت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی چیخ سنائی دی کہ

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

اللہ اللہ۔ یہی فضا ہوگی جس میں مجدد علیہ الرحمۃ کی زبان قال اللہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورد کرتی ہوگی۔ مگر ہم ہیں کہ ان نورانی فضاؤں کو بھول گئے ہیں۔ ہم میں عملی جدوجہد کا شعور ناپید ہو گیا ہے وگرنہ ہمیں تو عملی طور پر پیش رفت کے مواقع بھی حاصل ہیں ذرا اس دور کو یاد کیجئے جب معاندت کی فضاء ہر جانب محیط تھی۔ مجدد علیہ الرحمۃ نے ایسی غیر موافق فضا میں جس طرح استقامت دکھائی، حالات کا جائزہ لیا۔ نظریات سے عملی مظاہر تک بے راہ روی کا قبضہ تھا، آپ نے ماحول کی ناسازگاری کی تشخیص کی کہ مرض کے علاج کی خشتِ اوّل تشخیص ہی ہوتی ہے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ جان گئے تھے کہ مرض کیا ہے؟ اور وہ کن کن اعضاء ملت تک پھیل چکا ہے آپ کو نت نئے پیدا ہونے والے فرقے بھی نظر آ رہے تھے جو من پسند تاویلات کے فریفتہ تھے، عقائد کا جھول بھی صاف دکھائی دے رہا تھا، آپ کو صوفیاء کی بے راہ روی بھی دکھائی دے رہی تھی، علماء کا وہ میلان بھی آپ کے پیش نظر تھا جو ”شیخ الاسلامی“ کے منصبوں کا اسیر تھا۔

آپ وارثانِ منبر و محراب کے خطبے بھی سن رہے تھے اور ان کے خیالات کی قیمت کا اندازہ بھی لگا رہے تھے۔ آپ حیرت زدہ تھے کہ قال اللہ قال رسول اللہ ﷺ میں رطب اللسان لوگ کس طرح اکبر و جہانگیر کی محبت میں سرشار تھے، آپ صوفیاء کے آستانوں پر نذرانوں کی کثرت بھی دیکھ رہے تھے مگر ان کی بے فیضی کا مشاہدہ بھی کر رہے تھے۔ ایک تاریک فضا تھی، اک گھمبیر عالم تھا، کہیں سے کوئی مژدہ جانفز اسنائی نہ دیتا تھا مگر مجرد کی ہمت جواں تھی۔ یہی لوگ قوموں کے راہنما ہوتے ہیں جو غموں میں بھی مسکرانا جانتے ہیں، انہیں کے پاس گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالے کے لئے شمع یقین ہوتی ہے، کوئی غم ان کو نہیں رلاتا اور کوئی مصیبت ان پر لرزش طاری نہیں کرتی۔

ۛ ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم

کیا غنچے سے چھینے گا کوئی ذوقِ شکر خند

مکتوبات کا حرفِ شہادہ ہے کہ ایک ماہر معالج مریض کی نبض پر ماہرانہ ہاتھ رکھ رہا ہے اور اس کے دل کی حرکتوں کا بھی جائزہ لے رہا ہے، وہ ساری شریانوں پر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہے اور مرض کے مقامات سے بھی آگاہ ہے، اس ہمہ خبری کی بنیاد پر ایسے نسخے تجویز کر رہا ہے کہ نہ علماء سوء روک سکے اور نہ صوفیاء بد عقیدہ ہی راہ کاٹ سکے۔ نہ صرف طاری بیماریوں کا علاج کیا بلکہ کامیاب نسخے میراث میں بھی چھوڑے۔

عصرِ حاضر کی ناتوانی اُس دور سے بڑھ کر تو نہیں، مجددی مشن کا مطالعہ صرف اس لئے نہیں کہ وہ ہماری تاریخ کا زریں باب ہے، کرامات کا ذخیرہ اس لئے مرتب نہیں ہوتا کہ کبھی حُظا اٹھایا جائے تو کبھی تفاخر کا روّیہ اپنایا جائے۔ کیا خوب کہا تھا غلامِ علی آزاد بلگرامی نے کہ وہ معجزات کے مطالعے میں بھی خواہش رکھتا تھا کہ وہ معجزہ اُس کے وجود پر

بھی اثر انداز ہو، وہ معجزہ کو تاریخ کا حصہ نہیں سمجھتا اپنے وجود پر طاری ہوتا دیکھتا ہے، تاریخ کا مطالعہ عبرت آموزی اور نصیحت گیری کے لئے ہوتا ہے۔ آج ہم مجدد علیہ الرحمۃ کو یاد کر رہے ہیں اس لئے نہیں کہ اپنے دور کے بڑے انسان تھے بلکہ اس لئے کہ ہمیں آج بھی ان کی ضرورت ہے۔

وہ ضرورت کیا ہے؟ صوفیاء کے حالات بھی دستیاب ہیں ان کی کرامات کی بھی لمبی فہرست موجود ہے ایک سبق اکثر صوفیاء کے ہاں سے ملتا رہا کہ تلاش حق جاری رکھو، اللہ تعالیٰ تک جانے کے لئے تگ و دو کرتے رہو، لوگ اس تلاش میں صحراؤں میں بھٹکے، چلہ کشیاں کرتے رہے، مگر معاشرے کی اصلاح نہ ہو سکی کہ معاشرے سے نفرت سے معاشرے کی تشکیل نہیں ہوتی، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ایک عالم صوفی کے روپ میں سامنے آئے اور ایک راہ یاب راہنما کی حیثیت سے منزلِ مراد کی راہ دکھائی کہ تلاش حق کی درست راہ کیا ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت میں رب کے پاس جاؤں تو اچھا ہے یا یہ کہ رب میرے پاس آئے تو بہتر ہے، فرمایا دونوں طرح معاملہ ایک سا ہے، اس نے کہا کیسے؟ فرمایا مٹی کا گھڑا نیچے رکھ کر اوپر سے پتھر مارو تو کیا ٹوٹے گا، اس نے کہا گھڑا ٹوٹے گا، آپ نے فرمایا اگر پتھر نیچے رکھ کر اوپر گھڑا مارو تو کیا ٹوٹے گا کہنے لگا پھر بھی گھڑا ٹوٹے گا، فرمایا یاد رکھ صورت کوئی ہو، تو نہیں رہے گا، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ یہی سبق دیتے رہے کہ اپنے وجود کی نسبت اُس وجود سے جوڑ لے جو فرش پر بھی وجود تھا اور عرش پر بھی وجود رکھتا تھا، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کا اساسی نقطہ یہی ہے آپ کا رویہ سمجھا رہا ہے کہ چھوڑو کرامات کا ذکر، چھوڑو مکاشفات کی تلاش، بس ہو جاؤ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے،

ان کے دربار پر حاضری کو سعادت سمجھو کہ یہی سچی کامیابی ہے۔ اس لئے آج کے مسائل کا حل بھی یہی ہے کہ نیک نیتی اور عزم صادق کے ساتھ حاضر ہو جاؤ دربار رسالت میں .. وگرنہ بھٹکتے پھرو گے، دیکھ لو سنیا سی بھٹکتے پھر رہے ہیں، جوگی بھٹک رہے ہیں، ۔۔۔۔۔۔ محنت تو وہ بھی بہت کر رہے ہیں، مگر محنت کا حاصل بے خبری ہے، مگر ان پر غور کرو جو پڑھے ہوئے بھی نہیں تھے، مجاہدوں کی ننگ تاؤں سے بھی نہیں گزر رہے تھے، آشنائے راز بھی نہ تھے، ہم زبانی کا اعتماد بھی حاصل نہ تھا مگر دربار فیض باری کی سمت چل نکلے تھے، پھر کیا تھا حیاتِ دوام سے سرفراز ہوئے، دنیا میں راہ یاب ٹھہرے اور آخرت میں بامراد قرار پائے یہی لوگ تھے جو قوموں کے امام بنے کہ عرفانِ نفس کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے ان کے اندر محبوبِ برحق ﷺ مسند ہو گئے تھے۔

دردِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است

آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ است

یہی پیغام ہے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اور یہی پیغام ہر دور میں کامیابی کی کلید ہے، ایمان و عقیدہ اُسی وجود کی صداقتوں کو تسلیم کرنے کا نام ہے اور عمل اُسی وجود کی اتباع سے عبارت ہے، اسی لئے فرمایا کہ اگر چیتل اس نیت سے صدقہ کرو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا تو اتنا ثواب ملے گا کہ کوہ احد کے برابر سونا خیرات کرنے سے بھی زیادہ ہوگا کہ دربارِ الہی میں عمل کی کثرت و قیاس نہیں، قبولیت تو اسی عمل کی ہے جو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا ہو۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت پر مجددی نگاہ رہی جس جس سے بھی پیار کیا مجددی رویوں میں محبوب قرار پایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت و تکریم کا ایسا

درس دیا اور انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بلند گردانا کہ کسی ولی کو بھی ہم پایہ نہ جانا۔ یہی تعلیمات تھیں جو اُسی دور میں بھی اثرات دکھانے لگیں، کیا بات ہے کہ دربار جہانگیر میں ایک ایسی کتاب کا ذکر آیا جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تخفیف کی گئی تھی، جہانگیر جو مذہبی جذبات کا زیادہ گرویدہ نہ تھا جوش میں آگیا، مجددی تعلیمات کا فیضان تھا کہ مصنف کو دربار میں طلب کر لیا گیا، تصدیق کی گئی اور جب اس حرکت کا ثبوت مل گیا تو قتل کا حکم دیا۔ جلاد آگے بڑھا ہی تھا کہ روک لیا اور جہانگیر نے خود تلوار تھام لی، قتل کرنے کو بڑھا تو ملکہ نے دامن پکڑ لیا کہ مصنف اس کا رشتہ دار تھا مگر بادشاہ نے دامن جھٹک دیا اور کہا

جان من بہ تو جان دادہ ام، ایمان نہ دادہ ام

سوچئے ایک مرد درویش کی سطوت کہاں تک اثر دکھاتی ہے، اسی خلوص و یقین کے مظاہر اُس دور میں بھی عام ہوئے تھے اور آج تک اپنے جلوے دکھا رہے ہیں۔

تصوف کے نام پر کیسے کیسے فرقے وجود میں آئے تھے۔ روشینہ، شطاریہ، مدار یہ وغیرہ ان تحاریک میں مجاہدے تھے، مسلسل محنت تھی، دنیا سے بے رغبتی بھی تھی مگر کمی کیا تھی، یہی کہ مرکز کائنات ﷺ کے وجود کی کار فرمائی نہ تھی، مجدد علیہ الرحمۃ تو عشق رسول ﷺ کو ہی اساسِ ایمان جانتے تھے اس لئے ان سب کی تردید کی، حفظ مراتب کا خیال مجدد علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کا جزء اکبر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کی پاسداری لازم گردانی گئی ہے، عقیدتوں کے غلو کو کس قوت سے شکست دی یہ مجدد علیہ الرحمۃ کی ثابت قدمی کا شہکار ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ صحابی کا مقام ولی سے بلند تر ہے خواہ صحابی چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور فرمایا، چھوٹے سے چھوٹا صحابی بھی بڑے سے بڑے

ولی اللہ سے افضل ہے خواہ ولی اللہ اویس قرنی علیہ الرحمۃ ہی کیوں نہ ہو۔ آج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت، مجددی تعلیمات کا فیضان ہے۔

یہ احساس کہ برصغیر کے باسی نظریات کے تفاوت کے اعتبار سے الگ الگ قومیں ہیں یہ بھی مجددی کارنامہ ہے۔ ہمیں مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کا بھولا ہوا سبق مجدد علیہ الرحمۃ نے یاد کرایا تھا۔ پاکستان کی تشکیل مجدد علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کے نتیجے میں ممکن ہوئی، شاعر مشرق آپ کو ہی محبت کا نذر نہ پیش کرتے رہے اور تصوف کی روح کے امین آپ ہی کو سمجھتے رہے۔

آج بھی مجددی تعلیمات کو اپنانے کی ضرورت ہے، ان تعلیمات کی روح محبت رسول ﷺ ہے، یہی توانائی حاصل ہوگی تو ملت سرخرو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مجددی ورثہ سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف دعوت نہ دی

اتباع سنت اور اکابرِ اہلسنت کی طرف متوجہ کیا

پروفیسر قاری مشتاق احمد

ڈائریکٹر شیر ربّانی اسلامک سنٹر سمن آباد لاہور

حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع الصحیح میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور ان پر قمیصیں ہیں تو اُن میں سے بعض کی صرف چھاتی تک ہی پہنچتی ہے اور بعض کی اس سے آگے تک پہنچتی ہے اور میرے سامنے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا وَ عَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَّجُرُّہُ، اس حال میں کہ ان کے بدن پر لمبی قمیص تھی جسے وہ کھینچ رہے تھے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر لی تو ارشاد فرمایا ”الَّذِینَ“ دین۔ یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بدن کو قمیص نے ڈھانپ لیا اور قمیص نے سراپا کو سمو لیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سراپا پر دین مکمل غالب ہو گیا مراد یہ کہ عمر اور دین لازم و ملزوم ہو گئے اور علماء قمیص سے خلافت بھی مراد لیتے ہیں اور اس حدیث میں آپ کی خلافت کے غلبہ و کمال کا بخوبی اظہار بھی ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو آپ رضی اللہ عنہ سے بدنی تعلق بھی ہے اور روحانی بھی اور آپ کو اس امر کا گہرا ادراک تھا جب کبھی برکتوں کا ذکر فرماتے تو رگِ فاروقی کے

غلبہ و جوش کا بالضرور ذکر فرماتے اور ارشاد نبوی ہے ”الْوَلَدُ سِرٌّ لَا بِيَه“ بیٹا باپ کا مظہر ہوتا ہے تو جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات پر دین کا کامل غلبہ تسلط تھا بالکل فاروقی مجدد ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر اسی طرح دین کا کامل غلبہ و تسلط تھا اور یہی وہ خصوصیت ہے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ کو پورے گروہ صوفیاء و عرفاء، اہل اللہ، مجتہدین اور مجددین میں ممتاز کرتی ہے، آپ ایک متبحر عالم دین و واقع النظر فقیہ، ہر چہار سلسل اولیاء کے مجاز شیخ طریقت اور عظیم صوفی تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے آفتاب عالم تاب تھے احوالِ زمانہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کی قوت فیصلہ ان کے حکیم الامت اور مجدد دین و ملت ہونے پر شاہد عدل ہے۔ خواجگانِ نقشبند کا طرّہ امتیاز کتاب و سنت کا کامل اتباع اور اسکی بشدت تلقین ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سبھی اسی امر کے داعی تھے ظاہر ہے مجدد ربّانی بھی اس سلسلہ عظیمہ کی ایک مضبوط کڑی تھے انکی ذات پر دونوں جانب یعنی نسبی اور روحانی تعلق کی نسبت سے شریعت اور اس کے اتباع کی گہری چھاپ تھی اور مکتوبات میں اس امر کا واضح گف اظہار ہے وہ اپنی طرف لوگوں کو دعوت کیوں دیتے وہ بخوبی آگاہ تھے کہ رسول اللہ ﷺ داعی الی اللہ تھے اور انہوں نے بحکمِ خدا یہ واضح کر دیا تھا کہ نہ صرف مجھے اللہ نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت عطا فرمائی بلکہ میرا راستہ اسی صراطِ مستقیم اور اَتَّبَعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَیّ میں صرف اس کی ہی پیروی کرتا ہوں جس کا مجھے بذریعہ وحی حکم دیا جاتا ہے اور اللہ نے رسول کی اطاعت کے حکم کیساتھ یہ واضح کر دیا تھا کہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع اللہ جس نے رسول کی پیروی کی تو اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی تو یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا

ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کوئی دوا لگ الگ امور نہیں بلکہ ایک ہی بات ہے جو دونوں امور کی جامع ہے لہذا اتباع سنت ہی میں سب کچھ ہے اور اس کے بغیر زبانی جمع خرچ اور ادعا کے سوا کچھ نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ حضرت مجددیہ بھی جانتے تھے کہ اللہ اپنے دوستوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں خود پھیلا دیتا ہے اور ان کو مرجع خلائق بنا دیتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ انہیں محبوب رکھتا ہے اور حدیث نبوی ﷺ ہے الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّهُ، آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔ تو بقول مجدد ”محبّ دیوانہ محبوب است“ محبت کر نیوالا محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے تو محبوب کا ذکر و چرچا کیوں نہ کرے محبوب کے رنگ میں خود کو کیوں نہ رنگے یہی تو محبت محبوب کا تقاضا ہے اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو ہماری سرکار نے تکبیر کا حق ادا کر دیا بقول حالی۔

وہ بجلی کا کرکڑا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے تو رب ذوالجلال نے بھی محبوب کی وہ عظمت عطا کی جو صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے ارشاد فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو اونچا کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے اس کی تفسیر چاہی تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ارشاد باری ہے ذُكِرَتْ مَعَ ذِكْرِي آپ کا ذکر ہوگا میرے ذکر کے ساتھ اور مزید ارشاد ہے وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے تو ذکر محبوب بھی سب مخلوق سے بڑھ کر ہے اور اس پر مزید انا اعطیناک الکوثر کا ارشاد خوب واضح کر رہا ہے جس کا ایک مفہوم ذکر محبوب کی انتہائی کثرت اور بخوبی چرچا

ہے تو نتیجہ ظاہر ہے جو ذکر خدا اور ذکر محبوب اونچا کرے گا اللہ اس کے ذکر کو خود ہی بلند فرمائے گا وذلک جزاء المحسنین اور محسنوں کیلئے یہی اجر ہے تو حضرت مجدد اپنی طرف دعوت کیوں دیتے انہیں پتہ تھا بخوبی معلوم تھا کہ ذکر محبوب کی بلندی میں ان کو بلندی خود بخود مل جائیگی اور وہ پیکرِ اخلاص تھے اس لیے اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر اتباع سنت اور اکابر اہل سنت کی طرف اپنی دعوت کو مرکّز کر دیا۔

جباری خان کی طرف مکتوب میں فرماتے ہیں:

”اس نعمت عظمیٰ تک وصول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کر دے اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے رکنے کے ساتھ مزین و آراستہ نہ کر دے اس دولت و نعمت کی خوشبو بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہوا گرا حوال و مواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں داخل ہیں آخر اُسے رسوا اور ذلیل کریں گے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے بغیر عذابِ اخروی سے خلاصی اور نجات ناممکن ہے اے

صوفی قربان کی طرف تحریر فرمایا:

”حق سبحانہ و تعالیٰ ہم بے سرو سامان مفلسوں کو سیّدِ اولین

وآخرین کی اتباع کی دولت سے سرفراز فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بلند ہستی ہیں کہ آپ کی دوستی کے طفیل رب تعالیٰ نے اپنے اسمائی اور صفاتی کمالات کو ظہور میں لایا اور آپ کو بہترین تمام کائنات قرار دیا آپ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دنیوی لذتوں اور اخروی نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے فضیلت روشن سنت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے اور بزرگی آپ کی شریعت کی بجا آوری کے ساتھ مربوط ہے مثلاً دوپہر کا قیلولہ جو متابعت سنت کی نیت سے ہو کر وڑھاراتوں کے نوافل سے اولیٰ اور افضل ہے۔۔۔۔۔ تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی متابعت ہے اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی مخالفت ہے۔

میرزا داراب کے نام مکتوب میں فرمایا:

”آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر وابستہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچتے ہیں اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے

اوپر اور مقامِ محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں۔ اوالوالعزم پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں اور اگر موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیات ظاہری کے ساتھ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے اور عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کے نازل ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی امت آپ کی متابعت کے سبب خیر الام ہوئی ہے۔ اور اس میں سے اکثر اہل جنت ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام امتوں سے پہلے آپ کے امتی بہشت میں جائیں گے اور ناز و نعمت حاصل کریں گے۔ پس تو آپ کو لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعتِ حقہ کے موافق اعمال بجالائیں“ ۱۔

شیخ فرید کے نام تحریر فرمایا:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراثِ صوری عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے اور میراثِ معنوی عالمِ امر سے وہاں سب ایمان، معرفت اور رشد و ہدایت ہے میراثِ صوری کی نعمتِ عظمیٰ کا

شکریہ ہے کہ میراث معنوی و باطنی سے مزین و آراستہ ہوں اور میراث معنوی سے آراستگی کامل اتباع مصطفوی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے بغیر میسر نہیں آسکتی تو آپ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر و نواہی میں اتباع و اطاعت لازم و ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال متابعت آپ کیساتھ کمال محبت کی فرع ہے اِنَّ الْمُحِبَّ لَمِنْ هَوَاهُ، مُطِيعٌ مُحِبِّ اپنے محبوب کا پورا مطیع ہوتا ہے اور آپ سے کامل محبت کی نشانی اور علامت آپ کے دشمنوں کیساتھ کامل بغض و عداوت رکھنا ہے محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں محبت محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اسکی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا۔ ۱

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کپٹرف لکھا:

”اسلام کی سلامتی سنت کے بجالانے کیساتھ وابستہ ہے اور اسکی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے چاہے جو بدعت بھی ہو یہ فقیر بدعت کو کدال کی طرح جانتا ہے جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے اور سنت کو روشن تارے کی طرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے“ ۲

”حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائیگی سبھی جہنمی ہیں سوائے ایک ملت کے عرض کیا گیا وہ کونسا گروہ ہے ارشاد فرمایا انا علیہ و اصحابی جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ مزید ارشاد فرمایا اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار تم بڑی جماعت کی پیروی کرو تو جو اس میں سے نکل گیا تو وہ جہنمی ہے وہ گروہ جو حق پر ہے وہ ہی نجات پانے والا ہے لا ریب وہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہے اور جتنے فرقے نکلے یا پیدا ہوئے وہ سب جماعت ہی سے نکل کر الگ ہوئے لہذا جماعت فرقہ نہیں بلکہ نکلنے والے فرقے ہیں اور حدیث رسول کے موجب جہنمی ہیں اہل سنت و جماعت ائمہ اربعہ کے مقلد ہیں جنہیں مجتہد مطلق مانا گیا ہے اصول دین میں مکمل متحد ہیں اور ان کے تمام امور کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے بعض فرعی امور میں اگر اختلاف ہے تو بڑا واضح ہے کہ استنباط مسائل میں وہ کتاب و سنت سے ہرگز باہر نہیں ہوتے ظاہر حدیث پر عمل کو ترجیح دی ہے یا اجتہاد و قیاس سے فیصلہ کیا ہے۔“

حضرت مجدد نے اس سلسلہ میں جہاں شریعت کی تابعداری اور اتباع سنت کی شد و مد سے تلقین کی ہے وہاں ملت اسلامیہ پر واضح کر دیا ہے کہ ناجی گروہ کون ہے اور کن کے عقائد و نظریات پر عمل کے بغیر نجات نہیں اور

انکی تقلید کیوں ضروری ہے اور جو گروہ مقلدین میں شامل نہیں اسکے دعویٰ کی کیا حقیقت ہے اور اخروی کامیابیوں کیلئے اہل سنت و جماعت کے علاوہ کوئی گروہ بھی حق پر نہیں اور نہ ہی نجات پانے والا ہے۔

حضرت مجددِ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کی طرف تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ کا جامع ہے بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے ہاں اتنی بات ہے کہ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو عبارتِ انص اور اشارۃ انص اور دلالتِ انص اور اقتضاء انص سے معلوم ہوتے ہیں اور اہل لغت میں سے عوام اور خواص ان کو سمجھنے میں برابر ہیں اور احکام کی دوسری قسم وہ ہے جو کہ اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور ان احکام کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے بقول جمہور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی امت کے تمام مجتہد سب شامل ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو وحی کا زمانہ تھا اجتہادی احکام خطا اور ثواب میں متردد نہ تھے بلکہ یقینی وحی سے خطا کرنے

والے کی غلطی اور درست اجتہاد کرنے والے کی درستی بالکل الگ
 الگ ہو جاتی تھی اور غلط اور درست آپس میں ملے جلے نہ
 رہتے تھے کیونکہ غلطی پر ثابت اور برقرار رہنا نبی کیلئے جائز نہیں
 ہے برخلاف ان احکام اجتہاد یہ کہ جو کہ وحی کے زمانہ کے بعد
 مجتہدین کو بطریق استنباط حاصل ہوئے ہیں ان میں خطا اور
 صواب دونوں کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اجتہادی احکام جو
 کہ وحی کے زمانہ میں ثابت ہو چکے ہیں وہ موجب یقین ہیں اور
 عمل اور اعتقاد کے اثبات کیلئے مفید ہیں اور جو زمانہ وحی کے بعد
 ثابت ہوئے ہیں زیادہ سے زیادہ موجب ظن ہیں عمل کیلئے تو
 مفید ہیں لیکن اعتقاد کے اثبات میں ناکافی ہیں اور قرآن مجید
 کے احکام کے تیسری قسم میں وہ ہے کہ انسانی طاقت ان کے سمجھنے
 سے قاصر ہے جب تک کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے انکی
 اطلاع نہ ہو ان احکام کو نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور اس اطلاع کا
 حصول صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ مخصوص ہے
 اور کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں اگرچہ یہ احکام کتاب اللہ سے
 ماخوذ ہیں لیکن ان کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ
 سے ہوتا ہے تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں
 کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوا بلکہ اسی طرح جیسے کہ
 احکام اجتہاد یہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ ان کا

مظہر قیاس ہے پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں اگرچہ دونوں میں بہت فرق ہے کہ ان میں قیاس کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے اور دوسرے سنت کو اطلاع الہیہ کی تائید حاصل ہے جس میں غلطی کی گنجائش نہیں اور یہ آخری قسم قرآن کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت کتاب اللہ ہے، جان لینا چاہیے کہ اجتہادی احکام میں امتی کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف ممکن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ غیر نبی امتی اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہو اور وہ احکام جو عبارت النص اور اشارۃ النص اور دلالتہ النص سے ثابت ہوں اور اسی طرح وہ جو سنت سے ثابت ہوں ان میں کسی کو مخالفت کی مجال نہیں بلکہ تمام امت پر ان کی اتباع لازم ہے پس امت کے مجتہدین کیلئے اجتہادی احکام میں پیغمبر کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے بلکہ اس مقام پر درست یہ ہے کہ مجتہد اپنی رائے پر عمل کرے۔ ہماری شریعت میں جو تمام لوگوں کیلئے ہے حکم ثانی حکم اول کے لئے نسخ ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پچھلی سنت ان کی پہلی سنت کی نسخ ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کا اتباع کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کریں گے کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے

ہوسکتا ہے کہ علماءِ ظواہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات کی اپنے ماخذ کے کمال اور دقیق ہونے کی وجہ سے مخالفت کریں اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھیں حضرت مسیح علیہ السلام کا حال حضرت امام ابوحنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے کہ پرہیز گاری اور تقویٰ کی برکت سے اور سنت کی متابعت کی دولت اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور دقتِ معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو ”اصحاب الرأے“ کہتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے انکی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا اور کہا تمام فقہاء ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عیال ہیں۔

بان الناس فی الفقہ عیال

علی فقہ الامام ابی حنیفہ

افسوس ان قاصر نظروں کی جماعت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند
روباہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

تمام دنیا کے شیر اس سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں لومڑی حیلہ سے اس زنجیر کو کیونکر توڑ سکتی ہے اور اس مناسبت سے جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں کہ خواجہ محمد پار سار رحمۃ اللہ علیہ نے ”فصول ستہ“ میں شاید اسلئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے مطابق ہوگا نہ کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علماء امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریا ئے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی دوسرے مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے اور یہ مذہب کثرت تبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور مرسل احادیث کی

پیروی بھی مسندِ احادیث کی طرح کرتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور صحابی کے قول کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے اس کے باوجود مخالف ان کو ”اصحابِ الرائے“ کہتے ہیں اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں جن سے سوءِ ادبی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ سب ان کے کمالِ علم اور تقویٰ و پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اکابرِ دین کو ”اصحابِ الرائے“ کہتے ہیں اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تھے تو اس صورت میں وہ اپنے گمانِ فاسد کی بنا پر اہل اسلام کے سوادِ اعظم کو گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں بلکہ اپنے خیال میں ان اہل اسلام کو جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں تو یہ عقیدہ یا تو وہ جاہل رکھتا ہوگا جو اپنی جہالت سے بے خبر یا وہ بے دین آدمی جس کا مقصد نصفِ دین کو باطل کرنا ہے۔ چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکامِ دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اپنے

معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔
چوں آں کرمی کہ در سنگ نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است
اس کیڑے کی طرح ہیں جو کسی پتھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کی
(دنیا) زمین و آسمان بس وہی پتھر ہے۔

ہزار فسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظرِ فاسد پر
کہ فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور لوگوں نے فقہ کا
تین چوتھائی حصہ ان کے لئے مسلم رکھا ہے اور صرف باقی
چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہاء ان کے شریک ہیں اور فقہ میں
صاحب خانہ وہ ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال ہیں
باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی رحمۃ
اللہ علیہ سے گویا ذاتی محبت ہے ان کو بزرگ سمجھتا ہوں یہی وجہ
ہے کہ بعض نقلی اعمال میں، میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں
لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہاء کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمال
تقویٰ کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح
دیکھتا ہوں اور حقیقت معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا کہ اوپر
گزرنا کہ اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اگرچہ وہ اختلاف

پیغمبر ہی سے صادر کیوں نہ ہونچ کو مستلزم نہیں ہے برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب و سنت کے احکام میں ہو وہ موجب نسخ ہے جیسا کہ تحقیق پہلے گزر چکی، پس ثابت ہوا کہ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب و سنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔ الہام حلت و حرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہل باطن کا کشف فرض و سنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومنین مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں اور کشف و الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور شبلی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمر، بکر اور خالد کیساتھ جو کہ عام مومنین میں سے ہیں برابر ہیں“ ۱

سید محمود کے نام مکتوب میں لکھا:

”آپ نے مفید اور نصیحت کی باتوں کا مطالبہ کیا ہے، مخدوم گرامی! آدمی کیلئے تین چیزوں سے چارہ نہیں تاکہ نجات ابدی

میسر آئے علم، عمل اور اخلاص پھر علم دو قسم ہے ایک وہ جس سے عمل مقصود ہے اس علم کے بیان کی کفیل فقہ ہے دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقین قلبی ہے اس علم کی تفصیل مطابق آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت علم کلام میں آچکی ہے اور اہل سنت ہی ناجی فرقہ ہے ان بزرگوں کے اتباع کے بغیر نجات متصور نہیں اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقین کے درجہ تک پہنچ چکی ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جسے انکی متابعت کی توفیق مل گئی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہو گیا اور خرابی ان کیلئے جو ان کی مخالف راہ چلے اور ان سے الگ ہو گئے اور ان کے اصول چھوڑ گئے اور ان کے گروہ سے نکل گئے تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستہ پر ڈالا۔

خضر خان لودھی کی طرف تحریر فرماتے ہیں:

”وہ چیز جو ضروری ہے اور جس کے بغیر چارہ کار نہیں یہ ہے کہ اولاً مطابق آرائے صحیحہ اہل سنت و جماعت جو فرقہ ناجیہ ہے اپنے عقائد درست کرنے چاہئیں پھر احکام فقہ کے موافق فرائض

سنّتیں، واجبات، مستحبات، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ سب ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کے بعد ان پر عمل پیرا ہونا چاہئے جب یہ دونوں اعتقادی اور عملی باز و میسر آجائیں تو پھر اگر توفیق الہی دستگیری کرے تو ممکن ہے عالم حقیقت کی طرف پرواز نصیب ہو جائے ان دو بازوؤں کے مہیا ہوئے بغیر عالم حقیقت کی طرف پرواز ناممکن اور محال ہے۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا تو اں رفت جُودِ رے مصطفیٰ ۱
 شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نام بڑے دو ٹوک الفاظ میں حقیقت نفس الامری کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اے شرافت و نجابت کے مرتبہ والے! تمام نصیحتوں کا خلاصہ دینداروں اور شریعت کے پابند لوگوں کیساتھ میل جول رکھنا ہے اور دین و شریعت کا پابند ہونا تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کے طریقہ حقہ کے سلوک پر وابستہ ہے ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر نجات محال ہے اور ان کے عقائد کی اتباع کے بغیر خلاصی دشوار ہے تمام عقلی، نقلی اور کشفی دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں ان میں سے کسی میں خلاف کا احتمال نہیں ہے اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگواروں

(اکابرین اہل سنت و جماعت) کے سیدھے راستے سے ایک رائی کے برابر بھی الگ ہو گیا تو اس کی صحبت کو زہر قاتل جاننا چاہئے اور اس کی ہم نشینی کو زہر مار خیال کرنا چاہیے“ ۱۔
 شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

”ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ کی راؤں کے موافق اپنے عقاید کو درست کریں کیونکہ عاقبت کی نجات انہی بزرگواروں کی بے خطا راؤں کی تابعداری پر موقوف ہے اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے مقلد و تبعین ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں اور ان علوم سے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان اکابر نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے پس ان کے اخذ کردہ معانی میں سے کسی معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیے اور ان عقائدِ حقہ کی درستی کے لئے امام اجل تو رپشتی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بہت مناسب ہے۔ ۲

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۲۱۳ ۲۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۱۹۳

مذکورہ بالا مکتوبات کی عبارات نہ صرف عنوان کی مؤید ہیں بلکہ اس امر کا واشگاف اظہار ہے کہ انہوں نے جس طرف متوجہ کیا ہے وہ نہ صرف عملاً اپنانے کی ضرورت ہے بلکہ اسکی ترویج و تشہیر بھی بہت ضروری ہے کہ عصرِ حاضر میں گمراہوں اور فرقہ ہائے ضلالت کی سازشیں اور عیاریاں پورے عروج پر ہیں جو عام مسلمانوں کیلئے ہلاکت و بربادی آخرت کا پیغام ہیں۔ حضرت مجدد کا پیغام حقیقت نفس الامری کا اظہار اور حضرات و علماء اہل سنت کیلئے ایک دستاویز ہدایت اور مشعلِ نور ہے اور یقین و اعتماد کی لازوال دولت و نعمت ہے۔

عالمی سطح پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا اثر و رسوخ

پروفیسر محمد اقبال مجددی

صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تاسیس وسطی ایشیاء میں اور اسکی نشوونما بھی انہی علاقوں میں ہوئی، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں تقویت کا آغاز ہوا، آپ کے کئی خلفاء سارے وسطی ایشیاء اور ایران میں پھیل گئے اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں تیزی ہونے لگی۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری (۷۹۱-۷۷۱ھ/۱۳۸۸-۱۳۱۷ء) کے ایک نامور خلیفہ حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری (۷۴۹-۸۲۲ھ/۱۳۲۸-۱۴۱۹ء)، بخارا سے حریمین شریفین منتقل ہو گئے اور وہیں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور دفن ہوئے، آپ کے قیام مدینہ منورہ سے سلسلہ نقشبندیہ کا حریمین شریفین میں تعارف ہوا اور وہاں سے عربستان میں اس کی نشر و اشاعت شروع ہوئی۔ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے اہم کتاب فصل الخطاب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ ہوا^۱ جس سے اہل عرب ان مشائخ سے متعارف ہوئے، آپ کے مریدین نے عربی میں کئی کتابیں لکھیں جو عربستان میں اس سلسلہ کے تعارف کا باعث بنیں۔

۱۔ یہ ترجمہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہے (فہرست مخطوطات عربی ۷/۷۷۱) یہ ترجمہ امیر بادشاہ بخاری نزیل مکہ نے رجب ۹۸۷ھ کو کیا

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ (۸۰۶-۸۹۵ھ/۱۴۲۰-۱۴۹۰ء) کے ذریعہ اس سلسلہ کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی اور وسطی ایشیا سے نکل کر یہ سلسلہ فکری اعتبار سے ایران اور وہاں سے عراق میں اسے مقبولیت حاصل ہوئی جس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ اس سلسلہ کے مشائخ پابندی شرع پر بہت زور دیتے تھے۔

حضرت خواجہ احرار کی اولاد و خلفاء کا بہت وسیع سلسلہ تھا جو سارے عالم اسلام میں پھیل گیا اسی طرح عربستان سے ہندوستان تک آپ کا روحانی فیض جاری ہوا۔

دور آخر میں حضرت مولانا خواجگی املکنی (ف ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء) ایک بہت ہی بزرگ شخصیت کے مالک نقشبندی صوفی تھے جن کے فیض تربیت سے وابستگان کی ایک تعداد نے روحانی استفادہ کیا، ان میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ ان سے خلافت یاب ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور یہاں لاتعداد اصحاب فکر و دانش نے ان کے روحانی فیض سے بہرہ مند ہو کر اپنے علاقوں میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔

ان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نمایاں ہے جن سے روحانی فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ عربستان، وسطی ایشیا، ایران، ترکی، افغانستان، عراق وغیرہ سے اصحاب آپ کی روحانیت کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ کے مکتوب الیہم کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو پورا عالم اسلام روحانی اعتبار سے آپ کے زیر اثر معلوم ہوتا ہے۔

آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ بزرگوار مولانا خواجگی املکنی کے صاحبزادہ خواجہ محمد قاسم نے بھی روحانی تربیت کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کو

عریضہ لکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خواجگی کے وصال کے بعد وسطی ایشیا میں سلسلہ نقشبندیہ کے قابل ذکر بزرگ نہیں رہے تھے بلکہ ان میں سے اکثر اصحاب ہندوستان آکر حضرت خواجہ اور حضرت مجدد الف ثانی علیہما الرحمۃ سے وابستہ ہو گئے یا غائبانہ روحانی توجہات حاصل کر کے وہیں اپنے اپنے علاقوں میں مصروف ارشاد ہو گئے تھے۔

ہم نے اپنے ایک زیر نظر تحقیقی کام کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے تقریباً اسی خلفاء کے اسماء کی فہرست مع علاقائی نسبتوں کے مرتب کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے عرب خلفاء میں سے شیخ عثمان یمنی، شیخ عبدالعزیز نحوی حنبلی، مولانا شیخ علی مالکی اور شیخ علی طبری شافعی (الانوار القدسیہ ۱۹۱-۱۹۲) اکابر علماء میں سے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد آپ کے تینوں صاحبزادگان خواجہ محمد سعید، حضرت خواجہ محمد معصوم اور خواجہ شاہ محمد یحییٰ (ف ۱۶۸۷ء/ ۱۰۹۸ھ کو) حریم شریفین گئے اور متعلقین و مریدین کی بہت بڑی تعداد ان حضرات کے ہم رکاب تھی۔

حریم شریفین اور اس کے نواح سے بکثرت علماء و صلحاء نے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا جس سے یہ سلسلہ مبارکہ عربستان میں خوب متعارف ہوا جس کی تفصیلات لطائف المدینہ، حسنات الحرمین، نتائج الحرمین اور المفاضلہ بین الانسان والکعبہ میں ملتی ہیں۔

سید زین العابدین یمنی محدث مدنی عرب سے سرہند آکر حضرت خواجہ محمد معصوم سے فیض یاب ہوئے تھے اور خود حضرت خواجہ نے قیام حریم شریفین کے دوران ان سے اجازت حدیث لی تھی۔ (مقامات معصومی ۳/۲۸) شیخ عمر شافعی یمنی نے

بھی آپ سے خلافت پائی۔ (حدائق الوردیہ ۱۹۷)، خواجہ محمد صادق بخاری بھی حضرت خواجہ کی طرف سے عرب میں مصروف کار تھے، آپ کے ایک اور خلیفہ مولانا عبداللہ حجازی بھی حجاز مقدس میں دعوت و ارشاد میں نمایاں تھے۔ ان کے علاوہ مولانا شیخ عبدالرحمن القراسمانی، مولانا شیخ علی یحییٰ، مولانا شیخ ابوتراب اور شیخ عبداللہ مغربی صوفی قابل ذکر ہیں جن کے باعث اس سلسلہ کے عربستان پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کے ایک خلیفہ شیخ مراد تھے جن کا قیام تو شام میں تھا لیکن وہ اکثر و بیشتر حرمین الشریفین میں مقیم رہتے تھے۔ جب حضرت خواجہ حج کے لئے حجاز مقدس حاضر ہوئے تو شیخ مراد بھی کئی ہزار شامیوں کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے، یہ امر مسلمہ ہے کہ ان کی بدولت شام اور ترکی میں سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ ہوا، شیخ مراد نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکتوبات کا عربی میں ترجمہ کیا (مقامات معصومی ۴۷۰/۳) اور نقشبندی سلسلہ کے تعارف و تعلیمات پر عربی و ترکی میں کئی رسائل لکھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی، حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے بعد حرمین شریفین چلے گئے ان کے وہاں قیام سے اس سلسلہ کو خاصا فروغ ملا، مولانا جامی کی معروف کتاب نجات کا عربی ترجمہ کیا اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی تراجم نے مل کر اس سلسلہ کو عربستان میں رائج کرنے میں مدد کی ان میں سے بعض امور کی تفصیلات مولانا محمد بن فضل اللہ محبی کی خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی و العشر میں، شیخ محمد خلیل مرادی

نقشبندی کی سلسلک الدّر فی اعیان القرن الثانی والعشر میں اور مولانا محمد امین بدخشی کی نتائجِ حرّین وغیرہ میں ملتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے معروف خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوری (۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء کو) حجاز مقدس پہنچے اور وہیں قیام کا ارادہ کر لیا چنانچہ آپ (۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء کو) وہیں فوت ہو کر مدینہ منورہ میں دفن ہوئے آپ کے مرید خاص مولانا محمد امین بدخشی ہندوستان سے آپ کے ہمراہ گئے تھے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے انہوں نے آپ کی تالیفات کو وہاں مرتب کیا ان میں بعض رسائل کے عربی میں ترجمے کئے اور آپ کے خلفاء کے احوال و روحانی کمالات پر نتائجِ الحرّین کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں ایک تذکرہ مرتب کیا شیخ آدم بنوری کے قیامِ حرّین کے گہرے اثرات سارے عرب پر ہوئے۔

یمین کے والی امام اسماعیل المتوکل (۱۰۵۴-۱۰۸۷ھ/۱۶۵۴-۱۶۷۷ء) کو حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ نے اسے عربی میں ایک خط بھی لکھا تھا جو آپ کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہے۔ عبداللہ خان ازبک (۹۹۱-۱۰۰۶ھ/۱۵۸۳-۱۵۹۸ء) کی حضرت مجدد الف ثانی سے ارادت بہت مشہور ہے آپ کے رسالہ رد و افض کے پس منظر میں اس بادشاہ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

تُخارا کا حاکم عبدالعزیز بن نادر خان (۱۰۵۷-۱۰۹۱ھ/۱۶۴۷-۱۶۸۰ء) حضرت خواجہ محمد معصوم کا عقیدت مند تھا، سبحان قلی کا جانشین ابوالفیض خواجہ محمد زبیر سے بڑی عقیدت رکھتا تھا (روضۃ القیومیہ ۲/۱۵۲، ۴/۳۱۰) جس کی وجہ سے ان کے علاقوں میں سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ ملا۔

مغلوں کے دورِ زوال میں سلسلہ نقشبندیہ کا آخری مرکز سرہند شریف سکھوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا تو حضرات مجددیہ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ احمد شاہ درانی نے سکھوں کے ظلم و ستم کے خلاف قدم اٹھایا اور متعدد مرتبہ پنجاب پر حملے کر کے ان کی قوت توڑنے کی کوشش کی جب وہ سرہند سے جانے لگا تو حضرات مجددیہ میں سے شیخ غلام محمد پشاور، شیخ عزت اللہ اور شاہ صفی اللہ معصومی کو احتراماً قندھار لے گیا۔ افغانستان میں اب تک حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں جتنے افراد ہیں وہ سب انہی تینوں حضرات کے اخلاف ہیں۔

مسلم حکومت کے اس دورِ زوال میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا روحانی مرکز واقع قلعہ فیروزی دہلی میں ختم ہو چکا تھا اور دہلی جیسے مرکز میں سلسلہ نقشبندیہ کی صرف تین خانقاہیں متحرک تھیں اول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی دوم حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید اور سوم خواجہ میر دردان میں سے اول الذکر دوم راکنے روحانی اور سیاسی دونوں میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور سارے ہندوستان کے علاوہ وسطی ایشیاء جہاں سے سلسلہ نقشبندیہ کا آغاز ہوا تھا روحانیت کے طالبوں نے ان خانقاہوں کی طرف رجوع کیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے جانشین حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مریدین کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، روم، شام، بغداد، مصر، چین اور افریقہ تک کے اصحاب شامل تھے۔

مولانا خالد کردی رومی نے جو حضرت شاہ غلام علی کے نامور خلفاء میں سے تھے خود لکھا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ اصحاب نے مجھ سے فیض حاصل کیا ہے اور ایک ہزار

تبصر علماء میرے طریقے میں داخل ہوئے ہیں اور وہ اس وقت دست بستہ میرے سامنے کھڑے ہیں۔

۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء کو جب سکھوں نے سرہند کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تو مخدوم زادگان سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے سرہند شریف سے نکلے اور مختلف علاقوں میں مقیم ہو گئے۔

نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خان روہیلہ کو حضرات مجددیہ سے بڑی عقیدت تھی وہ ان کے علاقوں میں جا کر مقیم ہو گئے تو وہاں بھی اس وقت کے سیاسی حالات کی ابتری کے باعث چین نصیب نہ ہوا تو بہت سے اصحاب نے درگاہ حضرت مظہر جان جاناں شہید کا رخ کیا۔

مولف مقامات معصومی کے فرزند شیخ نیاز احمد سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء کو شہید ہوئے تو ان کے صاحبزادے شیخ فضل احمد نے پشاور میں آکر قیام کیا وہاں اپنی خانقاہ تعمیر کروائی اور انہیں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ مشرق و مغرب، روم و بلخ، بدخشاں و بخارا، کاشغر، فرغانہ، کابل و قندھار، ہرات، شام و حجاز و عراق و یمن میں انہیں شیخ الاسلام تسلیم کیا گیا، والی بخارا امیر معصوم کے عہد میں بخارا و ماوراء النہر کے علماء نے جو ایک عظیم الشان کتاب شرعی قانون کے لئے مرتب کی وہ فتاویٰ معصومیہ کے نام سے تیار ہو کر اطراف عالم میں مشہور ہوئی جو حضرات مجددیہ کا شاہکار ہے جس کے خطی نسخے یورپ اور پاکستان و ہند کے کتب خانوں میں بکثرت ملتے ہیں۔

مجددی بزرگوں کی تیسری بڑی ہجرت ۱۸۵۷ء کو ہوئی جب ان حضرات نے ہندوستان کی جنگ آزادی کو جہاد کا درجہ دے کر اس کی حیثیت کو مضبوط بنایا تو انہیں ملک

چھوڑنا پڑا ان میں شاہ احمد سعید مجددی دہلوی اور ان کے برادر شاہ عبدالغنی مجددی نے حرمین الشریفین کا رخ کیا اور وہاں قیام کر کے اس سلسلہ کی عربستان میں اشاعت کی حرمین سے یہ سلسلہ ترکی اور پھر وسطی ایشیا پہنچا، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی مترجم اور مشہور عالم شیخ محمد مراد رمزی قازانی ثم ملی ثم چینی (ف ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) ایک ذی علم بزرگ تھے اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی اور آپ کے فرزند شاہ محمد مظہر مجددی سے ارادت رکھتے تھے، انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے تینوں دفتروں کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا، نقشبندی سلسلہ کے بزرگوں کے احوال پر سب سے مشہور کتاب رشحات کا بھی عربی میں ترجمہ کیا، اس پر ایک تکملہ بھی لکھا جس میں اپنے معاصرین نقشبندی بزرگوں کے احوال کا اضافہ کیا۔ آخر میں چین چلے گئے وہیں وصال فرمایا آخری ایام حیات میں اپنے خطے قازان کی عربی زبان میں تاریخ لکھی جس کے ایک حصے میں اس عہد اور علاقے کے مشائخ کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے ہمیں پہلی بار یہ معلوم ہوا ہے کہ قازان، چین، کاشغر اور اس کے نواح میں ہمارے حضرات مجددیہ خصوصاً حضرت شاہ احمد سعید دہلوی، شاہ عبدالغنی مجددی اور شاہ محمد مظہر مجددی سے وابستہ کتنے اصحاب کا رفرما تھے۔

نقشبندی مجددی سلسلہ کے اس سارے لٹرچر نے اہل مغرب کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا اور وہاں اس سلسلہ پر کئی علمی و تحقیقی کام ہوئے۔

۱۔ اس کا پورا نام تلفیق الاخبار و تلیقہ الآثار فی وقائع قزان و بلغار و ملوک التار ہے، جو پہلے قزان سے اور پھر مرتب شکل میں ۲۰۰۲ء کو بیروت سے طبع ہوئی۔

لندن یونیورسٹی میں ۱۹۶۲ء کو مرزا قدیر بیگ نے پی ایچ ڈی کے لئے ایک مقالہ

The Role of Sheikh Ahmad Sirhindi in Islam in India کے نام سے لکھا۔

پھر پروفیسر محمد اسلم نے مانچسٹر یونیورسٹی انگلینڈ میں پی ایچ ڈی کے لئے ایک مقالہ The First Islamic movement of Islamic India لکھ کر پیش کیا جس پر انہیں ایم فل کی ڈگری ملی۔

ایک یہودی دانشور فریڈ ماں یوحنا نے میکگل یونیورسٹی، مونٹریال کینیڈا میں ۱۹۶۶ء میں پی ایچ ڈی کے لئے ایک مقالہ:

Shaykh Ahmad Sirhindi, an outline of his Thought and a study of His Image in the Eyes of posterity. کے عنوان سے پیش کیا جس پر اُسے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی، اس یہودی سکالرنے علی گڑھ ہسٹورینز سوسائٹی کے ایک رکن سید اطہر عباس رضوی کے حضرت مجدد الف ثانی پر اعتراضات کا مثبت طریقہ سے جواب دیا۔

۱۹۹۲ء کو پرنسٹن یونیورسٹی میں ایک خاتون ڈانالی گال (Dine le Gall) نے پی ایچ ڈی کے لئے ایک مقالہ بعنوان:

The Ottoman Naqshbandiyye in pre-Mughal Phase (A Study in Islamic Religious Culture and its Transmission کے نام سے لکھا۔

اسی سنہ میں استنبول سے فریڈر مائر (Fritz Meier) کا مقالہ جرمن زبان

میں شائع ہوا جو نقشبندی سلسلہ کی تاریخ پر ایک اہم اضافہ ہے۔

۱۹۸۵ء استنبول ترکی میں قائم فرانس اناطولی انسٹی ٹیوٹ (Institute Francais d' Etudes Anatoliennes) میں نقشبندی سلسلہ کے احیاء کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی جس کی فہرست مندرجات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک پورے یورپ کے مستشرقین اور دانش ور حضرات اس سلسلہ کی عظمت سے آگاہ ہو چکے تھے، اس کانفرنس کی روداد استنبول سے ۱۹۹۰ء میں طبع ہو چکی ہے۔

مشہور جرمن مستشرق اینا میری شمل کی نگرانی میں ایک نو مسلم امریکی سکالر آر تھراف بیولر (A.F. Buehler) نے نقشبندی سلسلہ پر پاکستان میں قیام کر کے ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ سے پی ایچ ڈی کیا، ان کا مقالہ یونیورسٹی آف کارولینا سے ۱۹۹۸ء کو شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر حامد الگر نے نقشبندی سلسلہ کی تاریخ کو اپنا موضوع بنایا اور کئی اہم مقالات شائع کئے۔ ڈاکٹر ساجدہ علوی نے بھی نقشبندی مجددی سلسلہ کے افکار پر مضامین تحریر کئے۔ ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی نے اردو اور انگریزی کے اہم ترین مقالات کے دو مجموعے مرتب کئے ہیں جو ان دنوں زیر طبع ہیں۔ مارمرایونیورسٹی استنبول کے ایک جواں سال سکالر ڈاکٹر نجدت توسون نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری پر پی ایچ ڈی کا

۱۔ یورپ میں حضرت مجدد الف ثانی اور سلسلہ نقشبندیہ پر تحقیقی امور کی یہ فہرست کسی طرح بھی مکمل نہیں ہے اور نہ ہی یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل ہو سکتا ہے

ایک مفصل مقالہ ترکی زبان میں لکھا جس پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ یہ مقالہ استنبول سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا، اس محقق نے حضرت مجدد الف ثانی کے رسائل میں سے چار رسالوں کا مقدمات اور حواشی کے ساتھ ترکی زبان میں ترجمہ کیا جو طبع ہو چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آج کل ترکی میں سلسلہ نقشبندیہ کے احیاء کے لئے سرگرمیاں تیز ہو رہی ہیں۔ مشہور عالم حسین علمی ایشیق نے ترکی سے عربی، فارسی ترکی اور اردو میں نقشبندی سلسلہ کی بکثرت کتابیں شائع کر کے ساری دنیا میں بلا قیمت تقسیم کیں جس سے اس سلسلہ کا تعارف بین الاقوامی طور پر ہوا۔

ایران میں بھی گذشتہ ۲۵ سال سے سلسلہ نقشبندیہ کے متون کی اشاعت کا رواج ہو گیا ہے جو آج تک جاری ہے ۱۹۷۲ء میں خواجہ محمد پارسا بخاری کا رسالہ قدسیہ احمد طاہری عراقی نے بڑے اہتمام سے ایڈٹ کر کے شائع کیا، رشحات عین الحیات بھی مرتب ہو کر طبع ہوئی، نفحات الانس بھی اعلیٰ طریقہ سے ایڈٹ ہو کر تہران سے چھپی۔ انیس الطالین در حالات حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری اور فصل الخطاب بھی ایڈٹ ہو کر ایران سے طبع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی ضخیم کتب اور رسائل چھپے ہیں، اس سلسلہ کا آخری اہم کام ڈاکٹر سید عارف نوشاھی کا ہے جنہوں نے خواجہ عبید اللہ احرار کے احوال و سخنان پر تہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔ ان کا مقالہ چند سال پیشتر تہران سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ امریکہ میں ایک پاکستانی بزرگ ڈاکٹر احمد مرزا صاحب نے نقشبندیہ فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ بنایا ہوا ہے جس کے ہر سال اجلاس ہوتے ہیں۔ صوفی ازم کے نام سے ان کا ایک رسالہ بھی جاری ہے۔

ایک ڈچ سکالر ter-Haar نے بھی حضرت مجدد الف ثانی پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جو لائینڈن سے ۱۹۹۲ء کو طبع ہوا۔

ہندوستان کے مسلم عہد کی تاریخ، تہذیب و ثقافت پر لکھی جانے والی ہر جامع تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی کے کردار پر لکھنے والوں نے اپنے اپنے تقاضوں کے مطابق ذکر کیا ہے۔

یہ ساری اسی لٹریچر کی برکت ہی تھی کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مارکسی پروفیسر محمد حبیب اور ان کے مکتبہ فکر کے باعث علی گڑھ میں حضرت مجدد الف ثانی کا نام احترام سے لینا جرم تصور کیا جاتا تھا اور یہ حضرات کہتے تھے کہ شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ کی کوئی سیاسی تحریک نہیں تھی یہ بہت بعد میں ان کے عقیدہ مندوں نے وضع کی ہے، آج اُسی یونیورسٹی میں تین تین دن تک کی ان دونوں حضرات کی خدمات کے اعتراف میں کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں جن کی رودادیں طبع ہو کر دنیا کے ہاتھوں میں ہیں اور اسی علی گڑھ کے پروفیسر محمد حبیب کے سب سے نامور شاگرد پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے Akbar and Religion کے نام سے ایک معرکہ آراء کتاب لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اکبر کا دین الہی ناکام رہا تھا اس کے قواعد و ضوابط موثر نہیں تھے اور اس کے مقابل راسخ العقیدہ طبقہ فکر خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی کو فتح ہوئی تھی۔

MAP

تکفیر میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی کمال احتیاط

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس ٹمس
چیرمین شعبہ عربی و علوم اسلامیہ
جی سی یونیورسٹی، لاہور

(چند اصطلاحات)

(۱) ضروریات دین:

دین کی وہ بنیادی اور ضروری باتیں جن پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن نہیں کہلا سکتا۔ حضرت امام ربّانی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”سب سے پہلے اعتقاد کی تصحیح کے بغیر چارہ نہیں جس کا تعلق حق جلّ سلطانہ کی ذات و صفات اور اس کے افعال و اجبی کے ساتھ ہے۔ نیز یہ اعتقاد بھی رکھنا چاہیے کہ جو کچھ پیغمبر اسلام حق جلّ و علا کی طرف سے لائے ہیں اور دین کی جو باتیں یقین و تواتر سے معلوم ہوئی ہیں یعنی حشر و نشر، عذاب و ثواب اخروی و دوائی اور وہ تمام باتیں جو شارح علیہ السلام سے سنی گئی ہیں“ آپ نے ضروریات دین میں اعتقاد کے ساتھ عمل کو بھی شریک کیا اس لیے فرائض و واجبات کی ادائیگی اور شریعت میں حلال و حرام کی رعایت کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ضروریات دین سے مراد وہ امور ہیں جن کو ان کی شہرت کی وجہ سے عوام خواص سب ہی دین کی ضروری باتیں سمجھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، پانچ نمازیں وغیرہ، ان کی دو اقسام ہیں:

(۱)۔ وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا خواص اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے عوام کو معلوم ہو۔ ایسے امور کا انکار خواص کریں یا عوام، بہر حال یہ کفر ہے۔

(۲)۔ وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا بعض عوام پر مخفی ہو، اگر عوام میں سے کوئی ان کا انکار کر دے تو اسے کافر نہیں کہیں گے۔ لیکن علماء کے بتانے پر بھی وہ بضد رہے تو کافر ہے۔ ۱

(ب) ضروریاتِ مذہب:

وہ امور جو کسی مسلک کا شعار و علامت ہوں۔ ضروریاتِ مذہب کہلاتی ہیں۔ خطبہ جمعہ و عیدین میں خلفائے راشدین کا ذکر ضروریاتِ اہل سنت میں سے ہے۔ ۲ امامتِ مذہب شیعہ کی ضروریات میں داخل ہے۔ ضروریاتِ دین میں نہیں۔ حضرت امام ربّانی نے لکھا ہے کہ امامت کی بحث فروعات دین میں سے ہے نہ کہ اصول شریعت سے۔ ۳

ملا باقر مجلسی نے بھی نظریہ امامت کو ضروریاتِ شیعہ میں سے لکھا ہے۔ ۴

۱۔ رد المحتار جلد اول، ص: ۴۶۲ ابن حجر المذنبی احمد شہاب الدین، الفتاویٰ الحلیہ، نور محمد کتب خانہ کراچی، ص: ۱۹۸-۱۹۹

۲۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر دوم، مکتوب: ۱۵ ۳۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر دوم، مکتوب: ۶۰، ۶۱

۴۔ باقر مجلسی، محمد، مرآة العقول، تحقیق السید ہاشم الرسولی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران، جلد ۷، ص: ۱۲۱

ضروریات مذہب کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا کیوں کہ یہ وہ مسائل و احکام ہوتے ہیں جو واضح دلائل و نصوص نہ ہونے کی وجہ سے محل اجتہاد اور متنازع بین المجتہدین ہوتے ہیں۔

(ج) اہل قبلہ:

اہل قبلہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں۔ اس سلسلہ میں معروف قول ہے

لا یکفر احد من اهل القبلة . ۱۔

(د) لزوم کفر اور التزام کفر:

لزوم کفر میں کفر فی الجملہ مفہوم من الکلام ہوتا ہے جس کے ساتھ غیر کفر کا بھی احتمال ہوتا ہے یا کفر سے بچنے کے لیے جائز تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ التزام کفر میں کفر کا فی الجملہ مفہوم من الکلام ہونے کی بجائے وہ واحد مفہوم کلام ہے صریح کلام ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

(ھ) ایمان:

ایمان یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کا اقرار اور تصدیق کی جائے جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے۔ جب تک انسان اس پر قائم رہتا ہے وہ مومن ہے۔ دائرہ اسلام سے اس وقت خارج ہوگا جب اقرار و تصدیق کی نفی کرے۔ حضرت امام ربانی نے ایمان کی

وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے

ایمان سے مراد، جو کچھ دینی امور سے متعلق ضرورت اور توازن کے طریق پر ہم تک پہنچا ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے، جیسا کہ علماء نے کہا ہے اس کے بغیر ایمان کے منہدم ہونے کا خطرہ ہے،^۱

ردالمحتار میں ایمان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

هو تصديق محمد ﷺ في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم بحیثه ضرورة^۲

(و) کفر:

کفر کا لفظ اصل میں کسی چیز کو چھپانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ رات کو کافراں لئے کہتے ہیں وہ تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ امام راغب کے بقول:

اللہ کی وحدانیت، شریعت، اور نبوت میں سے کسی ایک یا تینوں کے انکار کو کفر کہتے ہیں۔^۳

سید علی اکبر قرشی کے بقول

بہر حال کافر کسی است کہ اصول یا ضروری دین را انکار کند۔^۴

۱۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶، دفتر دوم، مکتوب: ۶۷۔ ۲۔ جلد ۳، ص: ۳۱۰

۳۔ المفردات بذیل مادہ البصائر، جلد ۴، ص: ۳۶۱۔ ۴۔ قاموس قرآن، جلد ۶، ص: ۱۲۲

ایمان اور اسلام کی تعریفات کے بعد حضرت مجدد کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

”اسلام و کفر ضد یک دیگر انداثبات یکے موجب رفع دیگر است

احتمال جمع شدن این دو ضد محال است“ ۱

اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو رد کرنا ہے ان دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے۔

اس اصول سے یہ واضح ہو گیا کہ آدمی مسلم ہو گا یا کافر۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بہ یک وقت وہ مسلم ہو اور کافر بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے کسی کو کافر قرار دینے میں ہمیشہ احتیاط کی ہے انتہا درجہ کا یہی محتاط رویہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی فکر میں بھی پایا جاتا ہے۔

اگر کسی صاحب شرع کا کلام بظاہر کفر یہ محسوس ہو رہا ہو تو اس کی تاویل کرنی چاہیے۔ البتہ اگر اس طرح کا کلام کرنے والا پابند شریعت نہیں تو تاویل نہ کی جائے فقہاء نے اسی لیے ”التزام کفر“ اور ”لزوم کفر“ جیسی اصطلاحات مقرر کی ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے کفر طریقت اور حقیقی اسلام کی اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم میں سے جس نے بھی شیطیات

کے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں۔

یہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے جو کہ سکرا اور بے تمیزی کا

مقام ہے جو بزرگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں

وہ اس قسم کی باتوں سے بالکل پاک و مبرا ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی اقتدا کرتے ہیں اور ان ہی کے تابع رہتے ہیں لہذا جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ مقام صلح میں ہے اور سب کو صراط مستقیم پر خیال کرتا ہے حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور ان میں دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو ایسا شخص اگر مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو کر ماسوی کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو اس کا کلام مقبول ہے اور اس کی وہ باتیں جو سکر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں تو ان کا ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا (بلکہ تاویل کی جائے گی) اور اگر ایسا شخص اس حال کے حصول کے بغیر اور کمال کے درجہ اولیٰ میں پہنچے بغیر اس قسم (سکریہ) باتیں کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے اور جس کا مطلوب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات جو کہ رحمت عالمیان ہیں ان کی دعوت کو ختم کرنا ہے پس اس قسم کے خلاف شرع کلمات حق والے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور باطل والے سے بھی لیکن سچے کے لیے آب حیات اور جھوٹے کے لیے زہر قاتل جس طرح دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطی کے

حق میں خون ناگوار ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے بارے میں جب غلط فہمیاں پھیلانی گئیں، مکتوبات کی من مانی تاویلات کی گئیں اور بعض لوگوں نے آپ پر بھی فتویٰ لگا دیا۔ ان حالات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

”اگر کسی مسلمان سے کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا جو بظاہر علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر مطابق شریعت کے کرنا چاہیئے۔ اشاعت فاحشہ اور فاسق کی رسوائی کرنا جب کہ شریعت میں حرام ہے تو مسلمان کو رسوا کرنا، فقط اشتباہ کی وجہ سے کیونکر مناسب ہوگا؟ اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کون سی دین داری ہے؟ طریق مسلمانی و مہربانی کا یہ ہے کہ اس کلمہ کو جس کا ظاہر مخالف علوم شرعیہ ہے، اگر کسی سے صادر ہوا تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا ہے۔ اگر ملحد و زندقہ ہے تو اس کا رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمان ہو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس بات کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کے لیے صحیح محمل نکالنا چاہئے یا اس قائل سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے۔ اگر وہ شخص اس کے حل

کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنا چاہیے۔
امر بالمعروف ونہی عن المنکر نرمی سے کرنا بہتر ہے کہ قبول کرنے
کے نزدیک ہے اگر مقصود تسلیم کرانا ہو اور اگر صرف رسوا کرنا
مطلوب ہو تو دوسری بات ہے۔“

حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فکری طور پر تکفیر مسلم میں کمال درجہ کی
احتیاط اس اقتباس سے بالکل عیاں ہے۔ کیونکہ تکفیر مسلم بدترین گناہ ہے۔ علماء نے
ہمیشہ اس سلسلہ میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے۔ اور حزم و احتیاط کا حکم دیا۔ احادیث صحیحہ
میں ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر لوٹ پڑتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لَا خِيَةَ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا ۚ
یعنی ”جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو بے شک
ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کلمہ کفر کا حق دار ہو جاتا ہے۔“

یہی وہ خطرہ ہے جس کی وجہ سے علماء کرام اور فقہاء عظام نے تکفیر مسلم کے معاملہ میں
پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اے بھائی! اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق عطا فرمائے۔ مسلمان کو
کافر کہنے پر اقدام بڑی دشوار چیز ہے۔ جس شخص کے دل میں
ایمان ہوگا وہ بدن مذہبوں کے کافر کہنے کو بھی خطرناک جانے گا
باوجود اس کے کہ وہ لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ کے قائل

ہیں۔ یقیناً کافر کہنا بڑا ہولناک اور بڑے خطرے کی چیز ہے“^۱۔
 اسی احتیاط و للہیت کی بناء پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کے
 اصولوں پر گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار نہیں دیتے۔ اس سلسلہ میں آپ رقمطراز
 ہیں:

”مومن گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہوں
 ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرہ میں داخل نہیں
 ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز علماء کبار کے ایک بڑے مجمع میں
 حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آیا
 اور اس نے محفل میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا فرماتے ہیں علماء کبار
 ایک ایسے فاسق مومن کے حق میں جس نے ناحق اپنے باپ کو
 قتل کیا اور اس کا سرتن سے جدا کر کے اس کے سر کا کاسہ بنا کر
 اس میں شراب ڈال کر پی لی اور شراب نوشی کے بعد اپنی ماں
 سے زنا کیا۔ کیا وہ شخص مومن ہے یا کافر؟ اس علماء کے مجمع میں
 ہر ایک نے اس کے حق میں بڑھ چڑھ کر غلو سے کام لیا اور اسے
 ایمان سے خارج بتایا۔ امام ابو حنیفہ نے اسی دوران میں فرمایا
 کہ وہ شخص مومن ہے اور ان کبار کے ارتکاب سے وہ ایمان
 سے خارج نہیں ہوا۔ امام صاحب کی یہ بات دوسرے

۱۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد، الویاقیت الجواہر، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۷ء، جلد ۲، ص: ۵۳۰

علماء کو نہایت ناگوار گزری اور اس پر انہوں طعن و تشنیع کی،
 زبان درازی کی۔ بالآخر مباحثہ کے بعد امام صاحب کی بات کو
 سب نے قبول کیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔^۱
 آپ نے مکتوبات میں اس امر کی وضاحت بھی کر دی کہ:
 گناہ یہاں تک کہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو آدمی کو دائرہ اسلام سے
 خارج نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ گناہ کے ہوتے ہوئے بھی تصدیق
 قلبی تو موجود رہتی ہے۔ مگر اس اصول کے ساتھ اس حقیقت کو بھی
 آشکارا کر دیا کہ گناہ کو حلال جاننا ایک دوسری چیز ہے استحلال
 کبیرہ کفر است۔^۲

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک کوئی ضروریات دین کا
 انکار نہ کرے گا وہ کافر نہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تصریح
 فرماتے ہیں:

”چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرأت نہیں
 کرنی چاہئے۔ جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کریں۔
 اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی
 طور پر دین میں آئی ہے اس کو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ
 اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی

پائی جائے تو اس کی وجہ اسلام کی تصحیح کرنی چاہئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہئے۔“^۱
اگر کوئی شیخین کی فضیلت کا انکار کرے تو علماء اسے کافر قرار نہیں دیتے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”الرافض اذا كان يسب الشيخين رضى الله عنهما و
يلعنهما و العياذ بالله فهو كافر وان كان يفضل عليا
كرم الله تعالى وجهه على ابى بكر رضى الله عنه
لا يكون كافراً الا مبتدع“^۲
لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے۔ ملا علی قاری لکھتے
ہیں:

”من انكر صحبة ابى بكر الصديق رضى الله عنه
كفر بخلاف انكار صحبة غيره“^۳
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف مکتوبات میں شیخین کے
فضائل و کمالات اور تمام صحابہ کی عظمت شان پر سیر حاصل شذرات قلمبند کئے دوسری
طرف احتیاط کا کمال مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا
”لیکن احوط یہی ہے کہ حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے منکر بلکہ
شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور
ضال جانیں کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے

۲۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص: ۳۶۴

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۳۹

۳۔ ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص: ۷۱

اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے۔ ایسا منکر یزید بد بخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔“ ۱۔
فتویٰ کفر اور لعن میں حضرت مجدد کی احتیاط کے حوالہ سے یہ سطور بھی قابل مطالعہ ہیں۔

”بعض علمائے اہل سنت نے اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، اس پر راضی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ رجوع اور توجہ کے احتمال کی رعایت کے باعث کیا ہے۔“ ۲۔

یزید بد بخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لیے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔“ ۳۔
کچھ امور جن کو ضروریات دین کی بجائے ضروریات مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا مگر انسان اہلسنت سے خارج ہوتا ہے۔
حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس انتہائی باریک فرق کو ملحوظ خاطر رکھا۔
مکتوبات کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے حتی الامکان کسی کلمہ گو کو کافر

کہنے سے احتراز کیا ہے، بوعلی سینا کے بارہ میں کہا کہ وہ فلسفہ کی موشگافیوں میں الجھ گیا۔ اور اس کے فلسفی اصول اسلام کے اصولوں کے مخالف ہیں۔ مگر خود یہ کہنے کی بجائے کہ میں اسے کافر سمجھتا ہوں لکھا:

امام غزالی تکفیر اور میناید کہ امام غزالی نے ان کی تکفیر کی ۱۔

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا

”اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اس کے سوا کسی اور کے لیے ”قدم وازلیت“ ثابت نہیں تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے اور جو شخص بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے قدم وازلیت کا قائل ہوا اس کی تکفیر کی“ یہاں تکفیر کا ایک اصول بیان کر دیا مگر اطلاق کرتے ہوئے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا اور امام غزالی کے ہی حوالے سے لکھا ”امام غزالی ازین راہ تکفیر ابن سینا و فارابی وغیرہ ایشان نموده است کہ قائل بقدم عقول و نفوس اند و بقدم ہیولی و صورت گمان بردہ اند.....۲“

اسی بات کو ایک دوسرے مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں:

حجۃ الاسلام امام غزالی نے اپنے رسالہ ”المنقذ من الضلال“ میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کو جو غیر حق کو بھی قدیم جانتے ہیں تکفیر کا حکم کیا ہے۔“ ۳

کفر کے لفظ سے آپ کو اس قدر نفرت تھی کہ ایک شاعر نے اپنا تخلص رکھ لیا، آپ کو یہ بھی ناگوار گذرا۔ عبدالرحیم خانخاناں کو لکھا ”نہایت تعجب کی بات ہے کہ ایک موثق قاصد نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کے ہم نشین فاضل شاعروں میں سے ایک شخص شعروں میں اپنے لیے کفری تخلص استعمال کرتا ہے حالانکہ وہ بزرگ سادات عظام اور شریف خاندان میں سے ہے۔ پس اے کاش میں جانتا کہ اس برے نام پر جس کی برائی اچھی طرح ظاہر ہے اس کو کس چیز نے مجبور کیا ہے حالانکہ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اس نام سے اس سے بھی زیادہ بھاگے جتنا کہ ہلاک کرنے والے شیر سے بھاگتا ہے اور اس نام کو نہایت ہی برا سمجھے کیونکہ یہ نام اور جس شخص کا یہ نام ہو دونوں حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ و دشمن سمجھے گئے ہیں اور مسلمانوں کو کافروں سے دشمنی رکھنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس ایسے برے ناموں سے بچنا واجب ہے۔“ ۱۔ آپ نے اس تخلص کو بدلنے کی نصیحت فرمائی اور ایسا تخلص اختیار کرنے کا کہا جو مسلمان کے شایان شان ہو۔ یہ مکتوب بھی حقیقت حال کو واضح کر رہا ہے کہ آپ اس نام سے انتساب کو کس قدر ناپسندیدہ سمجھتے تھے تو پھر کیونکر کسی پر کفر کے فتویٰ کا اطلاق کرتے۔

آپ کی اس مسئلہ میں یہی اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی اور یہی متقدمین کا اصول و طریقہ تھا۔ ہمارے لیے آپ کے اس طرز فکر میں یہ پیغام موجود ہے کہ کلمہ گو فردعی مسائل کی بنیاد پر فتاویٰ کفر کی مشینوں کو کھول دینا ایک عالم کو زیب نہیں دیتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اور ادو وظائف

پروفیسر راغب الیاس شاہ الہامی

گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ) ایسی بزرگ شخصیت تھے جن کی مبارک زندگی کا کوئی لمحہ اعمال مسنونہ سے خالی نہ تھا۔ اگرچہ آپ کا دور مذہبی انتشار اور بے چینی کا تھا جس میں اسلام پر اور شعائر اسلام پر ہر طرف سے شدید حملے ہو رہے تھے۔ قریب تھا کہ ہندوستان کی مملّت اسلامیہ پارہ پارہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب و صدر میں احساس بیدار کیا اور آپ شعائر اسلامی کی حفاظت کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کے راسخ العقیدہ علماء مذہبی حالات سے پریشان ہو کر حجاز مقدس کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن بعض علماء و مشائخ نے ان حالات میں بھی دین کی شمع روشن کرنے اور اس کا دفاع کرنے کے لئے میدانِ عمل میں اتر آئے۔

اکبر بادشاہ کے آخری سالوں میں دہلی جیسے مرکز میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی تربیت یافتہ جماعت جس نے اہل ہندوستان کے ذہنی اور فکری انقلاب کی راہ ہموار کرنا شروع کی اور راسخ العقیدہ امراء کو اپنا ہم خیال بنایا اس جماعت کے ارکان میں دو اصحاب بہت ہی سرگرم شخصیات ثابت ہوئیں ان میں ایک شخصیت حضرت شیخ عبدالحق

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے اس فکری و ذہنی انقلاب میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ جن کو اللہ تعالیٰ نے بروقت خبردار کر کے ایسا احساس بیدار کر دیا کہ ان کے اندر رگِ فاروقی حرکت میں آگئی اور آپ دیندار علماء اور مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ ملکر جسے آپ نے اپنے مکتوبات میں متعدد بار ”جرگہ مدائنِ دولت اسلام“ کا نام دیا۔ وہ ذہنی اور فکری انقلاب برپا کیا کہ آج کے لادینی طبقے نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے اکبر بادشاہ کا دین الہی ناکام ہو گیا اور اسکی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ آپ نے شریعت اسلامی کی عملی حیثیت بحال کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی جو آپ کا ایسا کارنامہ ہے جس کی بدولت دنیا نے آپ کو بجا طور پر اسلام کے دوسرے ہزار سال کا مجدد قرار دیا۔

آپ اسلامی شریعت کے مطابق اعمال کی بجا آوری کی ضرورت پر انتہائی زور دیتے تھے۔ آپ کی اپنی مبارک زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی سے عبارت تھی اس کا اندازہ آپ کے خلیفہ حضرت صالح کولابی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ”ہدایت الطالبین“ میں نقل کیا ہے ”خواجہ صالح کولابی“ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے عرض کی کہ آپ کے دن رات کے وظائف اکٹھے کر دیے جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: مقبول و متقدّم عمل حضرت سید عالم ﷺ کی سنت کا عمل مبارک ہے۔ کتب احادیث سے منتخب کر لینا چاہیے۔

خواجہ محمد صالح کولابی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت مرحمت فرمائی تو یہ بھی خصوصاً نصیحت فرمائی کہ جو

”قول و فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو

اُسی پر عمل کرنا۔ ۱

آپ نے اکثر مکتوبات شریف میں فرمایا

”فجر کی نماز باجماعت پڑھنا ساری رات جاگ کر عبادت

کرنے سے افضل ہے“ دفتر اوّل ہی میں ایک مکتوب میں

فرمایا ”دوپہر کو اگر اس نیت سے سویا جائے کہ ”دوپہر کا سونا“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ”قیلولہ“ کرنے کی سنت سے متعلق

ہے تو یہ ہزار عبادتوں سے افضل ہے“ اپنے مکتوب کے دفتر

اوّل کے حصہ دوم میں خصوصیت سے سات مکتوبات شریفہ

کا موضوع ہی نماز اور اسکے فضائل اور اس کے متعلقہ اوراد

اور اسے وقت پر ادا کرنے کے متعلق ہے ۲

آپ نے عورتوں کے ذکر کرنے کے وظیفہ کی طلب پر فرمایا:

”بعض عورتیں مشغولی یعنی ذکر کی طلب ظاہر کرتی ہیں اگر محرمّات

ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں“

۱۔ صالح کولابی، خواجہ، ہدایت الطالبین، تبلیغ صوفیاء دعوت الی الخیر، کراچی، ص: ۶۳۳

۲۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب: ۲۶۱، ۲۶۲، ۳۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶

۳۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب: ۲۵۶

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خاتون کو یہ ورد تلقین فرمایا
 ”جو شخص چاہتا ہے کہ آخر شب میں جلد بیدار ہو جائے تو اسے
 چاہیے کہ اوّل شب میں عشاء کی نماز کے بعد سو جائے اور بیکار
 مشاغل میں نہ جاگتا رہے اور سوتے وقت استغفار و توبہ، التجاء و
 تضرع کرے اور اپنے عیوب و نقائص میں غور کرے اور عذاب
 اخروی کے خوف اور دائمی رنج و الم سے ڈرے اور اس وقت کو
 غنیمت جانے اور حق سبحانہ سے غفوَ و مغفرت کی درخواست کرے
 اور سورتہ کلمہ استغفار دل کی پوری توجہ کے ساتھ زبان پر ادا
 کرے کلمہ استغفاریہ ہے:

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الْعَظِيمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
 وَأَتُوبُ إِلَيْهِ

اسی مکتوب میں ہے:

اور کوشش کریں کہ ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے
 کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص ہر نماز فرض کے
 بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اُسکو بہشت میں داخل ہونے سے
 سوائے موت کے کوئی چیز نہیں روک سکتی، ہر روز اور ہر شب
 میں سبحان اللہ و بحمدہ (۱۱۰) بار پڑھنا اس کا بہت
 زیادہ ثواب ہے۔

اسی مکتوب میں آپ نے فرمایا:

نمازِ عصر کے ادا کرنے کے بعد بھی کلمہ استغفار سو بار پڑھا کریں خواہ وضو ہو یا نہ ہو اس کلمہ استغفار کے ورد کو ترک نہ کریں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتَغْفَارٌ كَثِيرٌ
ترجمہ: ”مبارک ہے وہ شخص جس کے عمل نامہ میں بہت استغفار ہو“

”نماز چاشت بھی اگر ادا کی جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے“
کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت نماز چاشت ہمیشہ کیلئے ادا کریں نماز چاشت کی اکثر رکعتیں تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں اور وقت و حال کے موافق جتنی ادا ہو سکیں غنیمت ہے۔

۲۔ سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب

نیز چجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد (۳۳)
دفعہ کلمہ تنزیہ (سبحان اللہ) اور (۳۳) بار کلمہ تجمید (الحمد للہ) اور
(۳۳) بار کلمہ تکبیر (اللہ اکبر) کہیں اور ایک بار لا الہ الا اللہ
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي
وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہیں۔ تاکہ سو کی
تعداد پوری ہو جائے۔

نیز ہر دن اور ہر رات کو سو ۱۰۰ بار سبحان اللہ و محمد کہیں

کیوں کہ اس کا بہت ثواب ہے صبح کے وقت ایک دفعہ پڑھیں
 اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحُ لِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ
 وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَالْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ
 ترجمہ: یا اللہ آج صبح کو جو نعمت مجھے یا تیری خلقت میں سے کسی کو
 پہنچی ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک
 نہیں ہے پس تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے،
 اور شام کے وقت اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ لِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ
 وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَالْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ
 اور حدیث نبوی میں آیا ہے

”جو کوئی اس دعا کو دن میں پڑھیگا اُس دن کا شکر ادا ہو جائے گا
 اور جو کوئی رات کو پڑھے گا اس رات کا شکر ادا ہو جائے گا۔

اور ورد کیلئے ضروری نہیں کہ طہارت و وضو کے ساتھ
 پڑھیں بلکہ رات اور دن کے اس ورد کو جب چاہیں بجالائیں۔
 آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خواب یعنی نیند جو سراسر غفلت ہے
 جب اس نیت سے کی جائے کہ اطاعت و عبادت کے ادا کرنے
 میں سستی دور ہو تو اس نیت پر سونا بھی عبادت ہے اور جب تک
 سوتے رہیں اطاعت و عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث میں
 آیا ہے نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ (علماء کا سونا بھی عبادت ہے) ۱۔

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جن کی زندگی مبارکہ اسی طرح مسنون وظائف اور اورداد سے عبادت تھی اس موضوع پر تقریباً سات رسائل لکھے ہیں جن میں سے ایک رسالہ میں بارہ مہینوں کے مطابق اورداد کو ترتیب دیا گیا ہے جس کا نام ”مَا ثَبَّتَ بِالسُّنَّةِ عَلَى السُّنَّةِ“ ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور عقیدت مند حضرات اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کی دو معاصر سوانح عمریاں ایک ”حضرات القدس“ اور دوسری زبدۃ المقامات میں بھی آپ کے معمولات کی تفصیل دی جا رہی ہے۔ اکثر تہجد، چاشت کے وقت اور فنی زوال میں سورہ یٰسین کی قراءت بار بار کرتے اسی طرح کبھی تو اس کی قراءت ۸۰ مرتبہ تک ہوتی اور کبھی تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ

نماز تہجد ادا کرنے کے بعد خاموش ہو کر مراقبہ میں بیٹھتے۔ فجر سے دو تین گھڑی پہلے ایک گھڑی سنت کے مطابق اونگھ لیتے تاکہ تہجد دو نیندوں کے درمیان وقوع پذیر ہو پھر طلوع فجر سے پہلے بیدار ہو کر نماز فجر میں مشغول ہوتے فجر کی دو سنتیں گھر ہی میں ادا کرتے اور سنت اور فرض کے درمیان۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کا تکرار مخفی طور پر کرتے۔ نماز اشراق طویل قرائت کے ساتھ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کر کے تسبیحات اور ماثورہ دعائیں پڑھتے۔

علامہ بدرالدین اپنی کتاب حضرات القدس میں لکھتے ہیں: ”بیت الخلاء میں داخل ہوتے

ہوئے پہلے بایاں پاؤں قدم رکھتے، پھر دایاں قدم رکھتے اور اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے اور بیت الخلاء میں بیٹھتے ہوئے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھتے۔ آپ کے استعمال میں طاق عدد ڈھیلے بھی ہوتے جن کے بعد پانی سے طہارت فرماتے۔

وضو کیلئے ہمیشہ آپ کسی کی مدد کا سہارا نہ لیتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے وضو فرماتے اور ادعیہ مسنونہ جو اعضاء کے دھونے کے وقت مروی ہیں ہمیشہ تلاوت فرماتے اور وضو سے فراغت کے بعد بھی مسنون دعائیں پڑھتے

تہجد کی نماز اکثر اوقات بارہ رکعتیں ہی ادا کرتے اور دو رکعت کے بعد مراقبہ کرتے اور فراغت کے بعد ایک سو مرتبہ استغفار اور دوسری دعائیں اور ساتھ کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھتے۔ فجر کی فرض رکعتیں مسجد میں اوّل روشنی میں اور تاریکی کے آخر میں ادا فرماتے۔ امامت خود فرماتے اور سورتیں طویل تلاوت فرماتے۔ نماز سے فراغت کے بعد اپنے اصحاب کے حلقہ میں مجلس سجاتے ہر ایک کے حسب حال باطنی توجہ سے سرفراز فرماتے یہاں تک کہ سورج نیزہ کے برابر طلوع ہو جاتا“ ۱۔

کلمہ طیبہ کے تکرار کی ترغیب کے موقع پر فرماتے کہ اس عظیم کلام کے مقابلہ میں کاش تمام عالم کو وہی نسبت حاصل ہوتی جو قطرہ کو سمندر سے ہے، کلمہ طیبہ تمام کمالات ولایت و نبوت کو جامع ہے ۲۔

کھانا تناول فرمانے کے بعد ماثورہ دعائیں پڑھتے جو اس وقت کیلئے منقول ہیں ۳۔

۱۔ حضرات القدس، علامہ بدر الدین سرہندی، جلد ۲، ص: ۸۸، ۸۹، ۲۔ زبدۃ المقامات، ص: ۲۸۱۔

۳۔ زبدۃ المقامات، ص: ۲۸۲۔

آپ فرض نماز ادا کرنے کے بعد دس بار آہستہ سے کلمہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ وحده، لا شریک له پڑھتے۔

علامہ بدالدین سرہندی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ آپ اذان سنتے وقت اُس کے ہر کلمہ کا اعادہ فرماتے مگر حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے وقت لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ۲

عصر کی نماز دو مثل اور سایہ اصلی کے گزر جانے کے بعد اوّل وقت میں باجماعت ادا کرتے جس کی امامت خود فرماتے۔ دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ادا فرماتے۔ فرض نماز کے بعد مسنون دعائیں پڑھتے۔ ہر نماز کے بعد قرآن کی تلاوت سننا بھی آپ کا معمول تھا۔ مغرب کی نماز اوّل وقت میں ادا فرماتے۔ فرض نماز کے بعد بغیر تاخیر کیے ہوئے دو رکعت سنت مؤکدہ ادا فرماتے۔

اوّابین کی نماز چھ رکعتیں تین سلام اور طویل قرائت کے ساتھ ادا فرماتے جس میں سورۃ واقعہ اور اخلاص مکرراً اور اس کے علاوہ سورتیں پڑھتے اور نماز عشاء حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق اُنق کی سفیدی دور ہونے کے بعد (جسے شفق کہتے ہیں) آپ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور تحیۃ المسجد دو رکعت اور چار رکعت سنت ادا فرماتے اس کے بعد چار رکعت فرض باجماعت ادا کر کے دعا مانگتے اللّٰہم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام اور باقی ادعیہ نہ پڑھتے اور کھڑے ہو جاتے۔

وتر میں سورہ سَبَّحِ اسْمَ، قل یا ایہا الکفرون اور قل هو اللہ پڑھتے اور دعائے قنوت پڑھتے۔ وتر کو کبھی اوّل شب میں اور کبھی آخر شب میں تہجد کے ساتھ ادا فرماتے۔ اگر اوّل شب میں وتر ادا کئے ہوتے تو آخر شب میں اعادہ نہ کرتے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں ۱۔ آپ سوتے وقت کچھ سورتیں، آیات، تسبیحات اور ماثورہ دعائیں پڑھ کر لیٹ جاتے، لیٹتے وقت روئے مبارک قبلہ کی طرف اور سیدھا ہاتھ سیدھے رُخسار کے نیچے ہوتا تھا ۲۔

آپ درود پاک کی کثرت فرمایا کرتے تھے خصوصاً جمعۃ المبارک کی شب میں، جمعہ کے دن میں اور پیر کی شب میں اور پیر کے دن میں۔ آخری ایام حیات میں جمعہ کی راتوں کو احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود پڑھتے، ”رسالہ صلواتِ ماثورہ“ جو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا ترتیت دیا ہوا ہے کا اکثر ورد فرماتے ۳۔ جمعہ کی نماز کے بعد چار سورتیں یعنی فاتحہ، اخلاص، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں سے ہر ایک کو سات سات مرتبہ پڑھتے ۴۔

آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے، عید الاضحیٰ کے دن راستے میں تکبیرات بالجہر پڑھتے تھے، عشرہ ذوالحجہ کی نماز عشاء میں

۲۔ ہدایت الطالبین ص: ۶۲۸

۱۔ زبدۃ المقامات: ۲۸۴

۴۔ ایضاً، ص: ۲۸۶

۳۔ زبدۃ المقامات، ص: ۲۸۶

اور نماز فجر کی دوسری رکعت میں سورہ فجر تلاوت فرماتے

آپ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی پڑھتے تھے اور نماز تراویح میں رکعت سفر اور حضر میں پوری دلجمعی کے ساتھ ادا فرماتے۔ ماہِ صیام میں کم از کم تین مرتبہ قرآن مجید کا ختم فرماتے۔ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تین مرتبہ سبحان ذی الملک والکوت۔۔۔۔۔ پڑھتے تھے۔ چونکہ آپ حافظ قرآن بھی تھے اس لئے دوسرے دنوں میں خلوص دل سے اس کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور قرآن پاک کا استماع بھی اپنے حلقوں میں ہمیشہ جاری رہتا تھا۔!

سفر میں منزل پر پہنچنے تک قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے، نماز تہجد باجماعت ادا نہیں کرتے تھے جو لوگ نماز تہجد کو جماعت سے پڑھتے ہیں اُن کو آپ برا کہتے تھے۔

سوائے تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے آپ کسی نفلی نماز کو جماعت سے ادا نہیں فرماتے تھے اور ایسا کرنے کو مکروہ جانتے تھے ۲۔
جو لوگ روزِ عاشورہ، شبِ قدر، شبِ برآءت اور لیلۃ الرغائب میں نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں آپ ان کو سختی سے منع فرماتے تھے اور اُسے خلاف سنت قرار دیتے تھے۔

نماز استخارہ اور دعائے استخارہ کو ترجیح دیتے۔ تشہد میں سبّابہ (کلمہ کی انگلی)

۱۔ حضرات القدس، جلد ۲، ص: ۹۳

۲۔ ایضاً، ص: ۹۴

سے اشارہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ فعل مذہبِ حنفی میں مکروہ اور حرام کہا گیا ہے ۱۔
 قبور کی زیارت کیلئے بھی قبرستان تشریف لے جایا کرتے تھے اور استغفار اور
 دعائیں پڑھ کر ان کی مدد فرمایا کرتے اور باطنی توجہ بھی فرماتے تاکہ اُن کا عذاب دور ہو
 اور اُن کے درجات بلند ہوں ۲۔

آپ قبروں کو بوسہ دینا مستحسن نہیں سمجھتے تھے البتہ کبھی کبھی اپنے والد ماجد اور
 پیر دستگیر کی قبر کو ہاتھ لگاتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ایصالِ ثواب کیلئے فاتحہ پڑھا
 کرتے تھے ۳۔

آپ سماع کی محافل میں نہیں جایا کرتے تھے۔ ذکر بالجہر کی بجائے خفی کو بہتر
 جانتے تھے۔ آپ مشائخ کے طریقوں سے افضل نقشبندی طریقے کو سمجھتے تھے اور فرمایا
 کرتے تھے کہ یہ طریقہ نقشبندیہ بعینہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہے اور ان کی
 نسبت کو تمام نسبتوں سے برتر جانتے تھے ۴۔

علامہ بدالدین سرہندی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جمعہ کی
 نمازوں میں شریک ہو جاتا تھا اور آپ کی نماز کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا تھا اور یقین رکھتا
 تھا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقہ کے مطابق آپ نماز
 ادا کرتے ہیں۔ ۵۔

۱۔ حضرات القدس، ص: ۹۴

۲۔ ایضاً، ص: ۹۹

۳۔ ایضاً، ص: ۹۶

۴۔ ایضاً

آپ کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے اگرچہ وہ صاحبِ اقتدار اور صاحبِ حکومت ہی کیوں نہ ہوتے۔ ہر شخص سے سلام میں ابتداء آپ ہی فرماتے تھے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا معمول یہ تھا کہ جس وقت کوئی آمدنی اور نذر آتی آپ سال کا انتظار کیے بغیر حساب زکوٰۃ ادا کر دیتے۔ روزانہ پچاس سے ایک سو تک علماء، عرفا، مشائخ، حفاظ اور اشراف سادات میں سے لوگ آپ کے دولت خانے پر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ الغرض آپ خلق کی تواضع اور شفقت کے حوالے سے درجہ کمال رکھتے تھے۔

جناب صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے صلوٰۃ و سلام کے صیغے اکٹھے کر کے وظائف کا مجموعہ بنام ”بشائر الحسنات“ مرتب کیا ہے۔ حضرت صاحبزادہ بدرالاسلام مدظلہ العالی نے صلوٰۃ و سلام کے ان صیغوں کو سات دنوں کے اعتبار سے تقسیم کر دیا ہے۔

ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں تذکارِ مجدد

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

برصغیر کی ملت اسلامیہ کے فکری احیاء اور علمی راہنمائی میں جہاں انفرادی کوششیں ہوئیں جن میں صوفیاء کرام، علماء اور مفکرین نے اہم کردار ادا کیا وہاں کچھ ایسے ادارے بھی ہیں جن کی انفرادی کاوشوں اور کوششوں سے ایک علمی انقلاب برپا ہوا، ایسے متعدد ادارے ہیں جن کی اس ضمن میں خدمات کو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ ایسا ہی ایک ادارہ ہے جس کے بانی علامہ شبلی نعمانی اور ان کے ہونہار شاگردوں نے برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی علمی راہنمائی کی، علوم اسلامیہ کے مختلف میدانوں مثلاً علوم القرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، سیرت، تصوف و سلوک، تذکرہ و سوانح، تاریخ علوم اسلامیہ اور متعدد دیگر موضوعات پر کتب تیار کیں، اور اردو زبان میں اسلامی ادب تخلیق کیا ہے۔

دارالمصنفین اور ماہنامہ معارف، علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) کا تخیل تھا۔ جسے ان کی وفات کے بعد شرمندہ تعبیر ہونا نصیب ہوا۔ علامہ شبلی نعمانی نے دارالمصنفین کا خاکہ تیار کیا تو اس میں ایک علمی رسالہ کا اجراء بھی شامل تھا۔ دارالمصنفین میں علامہ شبلی کی ایک یادداشت محفوظ ہے جس میں اس مجوزہ علمی رسالہ کا نام ”معارف“ رکھا ہے۔

دارالمصنفین کا علمی ترجمان ماہنامہ ”معارف“ کا پہلا شمارہ رمضان المبارک کے مہینہ ۱۳۳۴ھ (مطابق جولائی ۱۹۱۶ء) کو منظر عام پر آیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آغاز سے لے کر جنوری ۱۹۵۱ء تک مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) نے ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے معاونین میں سید ریاست علی ندوی (م ۱۹۷۶ء) اور شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء) سید نجیب اشرف ندوی، سید ابوظفر ندوی (م ۱۹۵۸ء) عبد الباری ندوی، حاجی معین الدین ندوی، مولانا ابوالجلال ندوی، ابوالحسنات ندوی کے نام نمایاں ہیں۔ یہ حضرات سید صاحب کی مدد کرتے، ادارتی نوٹس (شذرات) لکھتے اور معارف کے مستقل عنوانات، اخبار علمیہ، باب التفریط والاقتصاد، مطبوعات جدیدہ، اور استفسار و جواب کے لیے لوازمات مہیا کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ جولائی ۱۹۴۶ء کو ریاست بھوپال کے امور مذہبی کے افسر اعلیٰ ہو کر آدھر چلے گئے، مگر رسالہ کی نگرانی فرماتے رہے، شاہ معین الدین احمد ندوی اور ایک سال (۱۹۴۷ء) کے لیے سید ریاست علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کام سنبھالے رکھا۔ شذرات و تبصرے لکھتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں شاہ معین الدین احمد ندوی نے شریک مرتب کی ذمہ داری سنبھالی اور پھر جب سید صاحب پاکستان آ گئے تو شاہ معین الدین صاحب مدیر ہو گئے۔ انہوں نے یہ ذمہ داری تادم آخر بہ طریق احسن انجام دی۔ ان کی وفات پر سید صباح الدین عبدالرحمن (م ۱۹۸۷ء) نے اپنے پیش رو کی روایت قائم رکھی۔ سید صباح الدین کے انتقال کے بعد مولانا ضیاء الدین اصلاحی (م ۲۰۰۷ء) نے ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، حال ہی میں ایک حادثہ میں مولانا اصلاحی کا انتقال ہوا۔ آج کل ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، معارف کے مدیر اور نگران ہیں۔

بقول عابد رضا بیدار:

معارف اپنی جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے علوم اسلامیہ کی ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اسلامی علوم و فنون اور ملت اسلامیہ سے متعلق اس قدر اس میں مواد موجود ہے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تاریخ اسلام اور اسلامی علوم و فنون کا شاید ہی کوئی پہلو یا تذکرہ ہو جو معارف کے صفحات میں اجاگر نہ کیا گیا ہو،

معارف کی اہمیت اور قدر افزائی ملک کے اساطین علم و ادب نے کی۔ اور ہر طبقہ کے متخصصین نے اس کو پسند کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ^(۱) (۲۰۰۳ء) مدیر معارف، شاہ معین الدین احمد ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔“

”میں معارف میں کم لکھتا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں کی میری نظر میں اس کی عزت کم ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آج کل ساری دنیائے اسلام میں عرب ہو کہ عجم، کوئی اسلامی رسالہ اسلامیات پر اعظم گڑھ والے ”معارف“ کے معیار کا نہیں، اوروں کا کاغذ اور طباعت کے لحاظ سے بہتر ہو سکتا ہے۔ لیکن مضامین کے مندرجات میں علمی معیار بد قسمتی سے کچھ بھی نہیں، خدا معارف کو سلامت باکرامت رکھے، میں خود معارف میں جگہ پاؤں تو اپنے لیے باعث عزت سمجھتا ہوں،“

معارف اور تذکار مجدد:

اسلامیان ہند کے فکری معماروں میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کارہائے نمایاں جس قدر وسیع، ہمہ جہت ہیں، اسی قدر موثر بھی ہیں۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ بالخصوص اور عالم اسلام بالعموم آپ حضرات کے فکری، علمی روحانی کمالات اور فیوض و برکات سے مستفید ہوئی اور ایک جہاں کو متاثر کیا۔

اہلسنت کے تقریباً تمام ہی مکاتب فکر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے فیض پایا، اور آپ حضرات کی فکر و دانش، علمی و تحقیقی نگارشات اور روحانی کمالات کو عام کرنے اور اسے عوام الناس تک موثر اسلوب میں پہنچانے کا اہتمام کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی و فکری خدمات اور آپ کے خانوادوں کی فکر و دانش کو عام کرنے میں بطور خاص جن رسائل و مجلات نے نمایاں خدمات سرانجام دیں ان میں ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ماہنامہ الرحیم حیدر آباد سندھ، الولی، حیدر آباد سندھ، ماہنامہ نور اسلام شرق پور شریف اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ شامل ہیں۔

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں علم تصوف کے ہر پہلو مثلاً تاریخ و تعلیمات تصوف، سلاسل تصوف، تصوف میں تجدیدی تحریکات، اسلام میں وحدۃ الوجود کا تصور اور

نامور صوفیاء کرام کے احوال و آثار پر مقالات دستیاب ہیں۔ تاہم حضرت مجدد الف ثانی کے احوال و آثار، فکر و خدمات اور تحریک اصلاح و تجدید پر بیس کے قریب مقالات شائع ہوئے ہیں۔ پندرہ مقالات میں آپ کے احوال و آثار، تجدیدی و اصلاحی خدمات اور آپ کے علمی کمالات کا ذکر ہے۔ ان مقالات میں آپ کے فکر کے اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ جبکہ پانچ مقالات ایسے ہیں جن میں تحریک اصلاح و تجدید کے ضمن میں جو اعتراضات ہوئے ان کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ماہنامہ معارف میں حضرت مجدد الف ثانی پر سب سے ضخیم، مبسوط، علمی و تحقیقی مقالہ مسعود ملت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۷ء) کا ہے جو کہ نو قسطوں میں شائع ہوا۔ اس علمی و تحقیقی مقالہ کے لکھنے کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب مدیر ماہنامہ سروش، نیو کاسل نے ایک مضمون کی فرمائش کی۔ راقم اس زمانہ میں شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج میرپور خاص (سندھ) میں صدر شعبہ اردو تھا۔ موضوع کی تلاش تھی استاد محترم قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) کے خدمت میں حاضر ہوا، موضوع کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی (صدر شعبہ دینیات، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) کے مضمون ”الف ثانی کے تجدیدی کارنامے“ مشمولہ تذکرہ مجدد الف ثانی مطبوعہ لکھنؤ، کا خلاصہ

قلم بند کر لیں۔ لیکن جب تلخیص کا یہ کام کرنا چاہا تو انشراح صدر ہوا اور طبعیت سہل پسندی سے مشکل پسندی کی طرف راغب ہونے لگی۔ چنانچہ تلخیص کے بجائے حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک مبسوط مقالے کی تیاری کے لیے مواد فراہمی کی لگن لگ گئی۔ کوشش جاری رکھی اور حضرت والد ماجد مفتی اعظم شاہ مظہر اللہؒ سے دعا کی درخواست کی، حضرت ممدوح نے جواباً فرمایا۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ المولیٰ القوی کے حالات پر مقالہ تحریر کرنا مبارک ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کما حقہ اس میں کامیاب فرمائے اور ایسے امور میں تحاریر تم سے ہمیشہ کرائے۔

جب مقالہ مکمل ہوا تو اس کی پہلی قسط بعنوان شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ شمارہ جون ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آ گئی۔

پہلی تین قسطیں مذکورہ بالا عنوان کے تحت شائع ہوئیں، چوتھی تا نویں قسط،، شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے،، کے عنوانات سے شائع ہوئی۔ کل ۹ قسطیں نکلیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمدؒ نے جدید علمی و تحقیقی انداز میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت اور اصلاحی خدمات کو اجاگر کیا تھا۔ معارف کے قارئین نے اس علمی و تحقیقی مقابلہ کو بے حد پسند کیا۔ معارف کے مدیر شاہ معین الدین احمد ندوی نے ڈاکٹر صاحب کو ایک خط میں لکھا

”یہ مضمون بہت پسند کیا گیا ہے۔ اس کی تعریف میں خطوط بھی

آئے اور رسالہ الفرقان (لکھنؤ) اس کو مسلسل نقل کر رہا ہے۔ اس مقبولیت پر مبارک باد قبول فرمائیے،،

ماہنامہ الفرقان کے مدیر مولانا منظور احمد نعمانی نے اس کو آٹھ قسطوں میں دوبارہ شائع کیا اور مقالہ نگار کو ایک خط میں لکھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کام خوب لیا اور آپ نے اس موضوع پر بہت سا ایسا مواد بھی فراہم کر دیا جو ہم جیسوں کی دسترس سے باہر تھا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ ہم جیسے پر آپ نے بڑا احسان کیا،،

معارف اعظم گڑھ میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اس مقالے کی اشاعت سے ان کی علمی پہچان میں اضافہ ہوا۔ برصغیر کے اساطین علم نے آپ کو اس علمی کاوش پر آپ کو خراج عقیدت پیش کیا، اور یہی مقالہ بعض میں کچھ اصلاح و ترمیم کے ساتھ۔ ”سیرت مجدد الف ثانی، کی صورت میں کتابی شکل میں منظر عام پر آ گیا۔ معارف میں شائع شدہ ۹ قسطوں والا مقالہ بھی الگ سے اب کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ اس اہم مقالہ کے مندرجات اور اہم عنوانات کی تلخیص کچھ اس طرح ہے۔

نمبر شمار	عنوان مقالہ	ج	عدد	سن	صفحات
-----------	-------------	---	-----	----	-------

۲۴۳-۲۰۵	جون ۱۹۶۱	۶	۸۷	۱ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) (۱) اس مقالہ میں خاندان شیخ مجدد، ولادت، تعلیم و تعلّم، سفر اکبر آباد، نکاح، اکتساب باطنی، سفر دہلی دوسرا سفر دہلی، تیسرا سفر دہلی، چوتھا سفر دہلی کا ذکر کیا گیا ہے۔
۲-۵	جولائی ۱۹۶۱	۱	۸۸	۲ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) (۲) اس قسط میں حضرت مجدد الف ثانی کے عہد کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس مقالہ کے اہم عنوانات میں، اکبر اور اس کا عہد، اس کے عہد کو تین ادوار پر تقسیم کر کے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا ہے۔ پہلا دور - ۱۵۵۶ء - ۱۵۷۵ء دوسرا دور - ۱۵۷۵ء - ۱۵۸۷ء
۱۱۹-۱۰۴	اگست ۱۹۶۱	۲	۸۸	۳ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) (۳) اس قسط میں اکبر کے تیسرے دور ۱۵۸۲ء - ۱۶۰۵ء پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس دور کے بارے میں شیخ مجدد کی آراء کو بیان کیا گیا ہے۔
۱۸۰-۱۴۵	ستمبر ۱۹۶۱	۳	۸۸	۴ شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے (۴) اس مقالہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے اصلاحی کارناموں کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مثلاً وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود، شریعت و طریقت۔
۲۷۰-۶۳۵	اکتوبر ۱۹۶۱	۴	۸۸	۵ شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے (۵) اس مقالہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی اصلاحی خدمات میں رد بدعات کے تحت حضرت مجدد کے اقوال و ارشادات رقم کئے ہیں اور آپ کی تعلیمات کو مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۳۶۲-۳۶۷	نومبر ۱۹۶۱	۵	۸۸	۶ شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے (۶) اس مقالہ کے مندرجات میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات میں واقعہ اسیری کے احوال قلم بند کئے ہیں، اس دوران آپ کی تعلیمات، مکاشفات، زمانہ اسیری کی مراسلت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔
۴۳۷-۴۳۸	دسمبر ۱۹۶۱	۶	۸۸	۷ شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے (۷) اس مقالہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی نظر بند اور ربائی کے حوالے سے واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور جہانگیر کے تعلقات پر گفتگو کی ہے۔ اور اس حوالے سے جدید سوانح نگاروں مثلاً مولانا محمد میاں، صاحب کتاب، علماء دیوبند کا شاندار ماضی، کی بعض آراء پر نقد بھی کیا ہے۔
۴۲۷-۴۲۸	جنوری ۱۹۶۲	۱	۸۹	۸ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) (۸) اس مقالہ میں ”سانحہ ارتحال“ کے احوال و آثار کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اسی مقالہ میں مقام شیخ مجدد کے عنوانات کے تحت مشاہیر، علماء صوفیاء اور اہل علم کی آراء کو پیش کیا گیا ہے۔
۱۳۶-۱۳۷	فروری ۱۹۶۲	۲	۸۹	۹ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) (۹) اس کے ذیل میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد و امجاد اور تصانیف شیخ مجدد پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنے مقالہ کی آخری قسط میں حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد و امجاد کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے ساتویں صاحبزادے خواجہ محمد یحییٰ کے ذکر کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ

”خواجہ محمد یحییٰ کی تصنیف تاریخ مبارک شاہی بڑی اہمیت رکھتی

ہے۔

اور اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں پیٹر ہارڈی اور ڈوسن کے اقتباس کو نقل کیا۔

مولانا غلام رسول مہر نے پروفیسر مسعود احمد کے حضرت مجدد الف ثانی پر مقالہ کو پسند فرمایا اور اس کو ہر لحاظ سے قابل قدر قرار دیا تاہم اس مقالہ میں ایک تاریخی ماخذ ”تاریخ مبارک شاہی“ کے متعلق پروفیسر مسعود احمد صاحب کی غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا:

حضرت مجدد پر جو مقالہ پروفیسر مسعود احمد صاحب نے تحریر فرمایا وہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے مگر تعجب ہے مدوح کو تاریخ مبارک شاہی کے متعلق غلط فہمی ہوئی (فروری ص ۴۳) یہ کتاب خواجہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد کی نہیں بلکہ یحییٰ بن احمد بن عبداللہ کی ہے یقیناً وہ سرہندی تھے، مگر دوسرے شخص تھے جو کم و بیش دو سو سال پیشتر گزرے، حضرت مجدد کے والد ماجد کا اسم گرامی عبداللہ نہیں عبدالاحد تھا۔ مصنف مبارک شاہی نے خود لکھا ہے کہ جب سید مبارک شاہ تخت نشین ہوا تو میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ کوئی موزوں تحفہ موجود نہ تھا۔ یہ تاریخ لکھ کر لے گیا۔ مبارک شاہ کا سنہ جلوس ۸۲۲ھ ہے اور ۸۳۷ھ میں وہ مارا گیا، خواجہ محمد یحییٰ کی تاریخ ولادت ۱۰۲۲ھ ہے یقین ہے کہ پروفیسر صاحب باپ بیٹے کے ناموں میں اشتراک کے باعث غلط فہمی کا شکار ہوئے، اس پر وطنیت کا اشتراک مسترد ہوا اور وہ دوسرے متعلقہ امور پر غور نہ فرما

سکے۔

تحریک مجدد کا دفاع اور معارف

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذات اور آپ کی تحریری و اصلاحی کاوشوں پر نقد ہوا تو اس کا اولین جواب اور تردید بھی معارف اعظم گڑھ میں ہی شائع ہوئی، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی نے ایک کتاب۔

Muslim Revivalists Movement Northern India in 1674 & 17 Centuries

یعنی سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں کے نام سے شائع کی یہ کتاب دراصل ڈی لٹ کی ڈگری کے لیے آگرہ یونیورسٹی میں پیش کی گئی جس سے مصنف سرفراز بھی کئے گئے۔

اس کتاب کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ مصنف نے سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کے مسلمان مجددوں کی مذہبی تحریکوں کا تحقیقی جائزہ لیا ہوگا، لیکن بقول سید صباح الدین عبد الرحمن، اس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف زہر افشانی ہے۔ جس سے عام مسلمانوں اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عقیدت مندوں اور ان کے مسلک کے پیرووں کی

پوری دل آزاری اور ایذا رسانی ہوئی ہے۔ مصنف نے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے تاریخی تحقیقات کی آڑ لی ہے لیکن ان کی تحقیقات کی حیثیت وہی ہے جو کسی وکیل کے جھوٹے مقدمہ کی شہادتوں کی پُر فریب ترتیب کی ہوا کرتی ہے،۔

پھر شبیر احمد خان غوری نے ایک مقالہ میں اور سید صباح الدین عبدالرحمن نے چار ضخیم قسطوں میں اس تحقیقی مقالہ کا ناقذانہ جائزہ لیا اور حضرت مجدد الف ثانی پر ڈاکٹر اطہر عباس رضوی کے الزامات کا رد کیا ہے۔

مولانا شاہ ابوالحسن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”حسرت مجدد الف ثانی اور ان کے ناقدین“ میں ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی شیعہ کی کتاب پر جو کچھ نقد درج کیا ہے وہ معارف اعظم گڑھ میں سید صباح الدین عبدالرحمن اور شبیر احمد خان غوری کے مقالات کی تلخیص ہے، فاروقی صاحب لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب اور شبیر احمد خان صاحب غوری کو کامل اجر دے کہ انہوں نے رضوی صاحب کے مکائد اور بُرے عزائم کا پردہ چاک کیا۔
(ص ۳۹۱)

اپریل ۱۹۸۶ء کے شمارے میں جناب محمد اسحاق صاحب اسماعیل نے، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور فیضی اور ابوالفضل کے تعلقات و اختلافات پر ایک اجمالی نظر کے عنوان سے مقالہ لکھا۔ ایک اور مقالہ میں معروف صوفی مولانا غلام محمد صاحب نے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود ذراع لفظی ہے، کے عنوان سے ایک مقالہ قلم بند کیا۔ جس

میں وحدۃ الوجود کی تاریخ، مختلف صوفیاء کرام کے ارشادات اور وحدۃ الشہود کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کے اقوال و فرمودات کو بیان کرتے ہوئے ان دونوں میں تطبیق کی کوششوں کا جائزہ لیا، اور اس ضمن میں اپنے تجربات و مشاہدات سے اس مسئلہ کے حل کی راہ نکالی ہے۔

جناب شمیم طارق صاحب نے،، امام ربانی مجدد الف ثانی اور ٹیپوشہید،، کے عنوان پر مقالہ لکھا جو معارف مارچ ۲۰۰۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ مقالہ نگار نے ثابت کیا کہ، سلطان ٹیپوشہید پر حضرت امام ربانی کی تعلیمات و نگارشات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، مقالہ نگار نے Wellesley Papers کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ سلطان شہید احیائے اسلام کے حامیوں میں تھے اور اکثر امام ربانی کے مکتوبات و نگارشات کے حوالے دیا کرتے تھے۔

جناب اورنگزیب اعظم نے اپنے مقالہ مطبوعہ (مکتوبات امام ربانی، اعلیٰ عربی) معارف اگست ۲۰۰۸ء، میں مکتوبات امام ربانی کی عربی عبارتوں اور ان کی معنویت کو اجاگر کیا ہے۔ الغرض معارف اعظم گڑھ میں ایک وسیع ذخیرہ حضرت مجدد اور آپ کی تحریک کی خدمات پر موجود ہے جس میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے افکار و نظریات، اور اصلاحی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں حضرت مجدد اور تحریک مجدد پر مقالات کا اشاریہ

نمبر شمار	مقالہ نگار	عنوان مقالہ	جلد	عدد	سن	صفحات
-----------	------------	-------------	-----	-----	----	-------

۱	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ احمد سرہندی قسطنطنیہ (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)	۸۷	۶	جون ۱۹۶۱	۴۲۴-۴۰۵
۲	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ احمد سرہندی قسطنطنیہ (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)	۸۸	۱	جولائی ۱۹۶۱	۱۲-۵
۳	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ احمد سرہندی قسطنطنیہ (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)	۸۸	۲	اگست ۱۹۶۱	۱۱۹-۱۰۲
۴	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۸	۳	ستمبر ۱۹۶۱	۱۷۰-۱۶۵
۵	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۸	۴	اکتوبر ۱۹۶۱	۲۸۰-۲۶۵
۶	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۸	۵	نومبر ۱۹۶۱	۳۲۶-۳۲۷
۷	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۸	۶	دسمبر ۱۹۶۱	۳۳۷-۳۲۶
۸	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۹	۱	جنوری ۱۹۶۲	۴۲-۲۹
۹	پروفیسر محمد مسعود احمد ایم۔ اے حیدر آباد	شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۹	۲	فروری ۱۹۶۲	۱۴۶-۱۳۶
۱۰	مولانا غلام رسول مہر	صحیح و استدراک بر مقالہ شیخ مجدد کے اصلاحی کارنامے	۸۹	۳	مارچ ۱۹۶۲	۲۳۵-۲۳۴
۱۱	سید صباح الدین عبد الرحمن	شذرات	۹۷	۱	جنوری ۱۹۶۶	۳-۲
۱۲	سید صباح الدین عبد الرحمن	سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں	۹۷	۳	مارچ ۱۹۶۶	۱۹۴-۱۴۰

۱۳	شبیر احمد خان غوری	سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی توہیکیں	۹۷	۵	مئی ۱۹۶۶	۳۵۰-۱۶۵
۱۴	سید صباح الدین عبدالرحمن	سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں	۹۸	۳	ستمبر ۱۹۶۶	۲۰۶-۱۸۴
۱۵	سید صباح الدین عبدالرحمن	سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں	۹۸	۴	اکتوبر ۱۹۶۶	۲۶۵-۲۴۵
۱۶	سید صباح الدین عبدالرحمن	سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں	۹۸	۵	نومبر ۱۹۶۶	۳۴۶-۳۲۵
۱۷	جناب محمد اسحاق اسماعیل	حضرت مجدد الف ثانی اور فیضی و ابوالفضل کے تعلیمات و اختلاف پر ایک اجمالی نظر	۱۳۷	۴	اپریل ۱۹۸۶	۳۰۰-۲۸۹
۱۸	مولانا غلام محمد	کیا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود نزع لفظی ہے؟	۱۴۴	۲	اگست ۱۹۸۹	۱۰۰-۸۵
۱۹	شیم طارق	امام ربانی مجدد الف ثانی اور ٹیپو شہید	۱۴۹	۳	مارچ ۲۰۰۲	۲۳۲-۲۱۱
۲۰	اورنگ زیب اعظمی	مکتوبات امام ربانی، اعلا عربی میں	۱۸۲	۲	اگست ۲۰۰۸	۱۴۵-۱۳۴

تبصرہ کتب

	نام کتاب	مؤلف و مصنف				
۲۲	وحدت الوجود و الشہود پاک اکیڈمی گولیمار کراچی - ص ۱۶۰	ثناء الحق	۹۴	۱	جولائی ۱۹۶۴	۱۴۰

۲۳	اثبات النبوة اعلیٰ کتب خانہ کراچی۔ ص ۱۱۲	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی	۹۸	۵	نومبر ۱۹۶۶	۱۱۲
۲۴	مبدأ و معاد ادارہ مجددیہ کراچی۔ ص ۲۲۴	مترجم سید زوار حسین شاہ	۱۰۳	۴	اپریل ۱۹۴۹	۲۲۴
۲۵	دین الہی اور اس کا پس منظر ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی۔ ص ۲۴۰	پروفیسر محمد اسلم	۱۰۷	۴	اپریل ۱۹۷۱	۲۴۰
۲۶	مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانی دفتر اول حصہ اول مکتبہ نشاۃ ثانیہ حیدر آباد۔ ص ۳۲۸	مولانا قاضی عالم الدین	۱۰۹	۴	اپریل ۱۹۷۲	۳۲۸
۲۷	Akbar and Religion ادارہ ادبیات دہلی۔ ص ۴۷۰	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۱۴۹	۱	جنوری ۱۹۹۲	۴۷۰
۲۸	تصوف اور شریعت مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ MMI دہلی۔ ص ۲۰۸	ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری مترجم مفتی محمد مشتاق احمد تجاوری	۱۷۱	۵	مئی ۲۰۰۳	۲۰۸

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دعوتی منہج و اسلوب

ڈاکٹر محمد اکرم ورک

شعبہ علوم اسلامیہ

گورنمنٹ ڈگری کالج پیپلز کالونی

گوجرانوالہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، تاہم قرآن نے دعوت و تبلیغ اور بنی نوع انسان کی ہدایت کی ذمہ داری پوری امت محمدیہ پر ڈال دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر یہ ذمہ داری امت کے علماء پر عائد کی اور ان کے دعوتی کردار کو علمائے بنی اسرائیل کے مماثل قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا:

ان اللہ عزوجل یبعث لہذہ الامۃ علی رأس کل

مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا“ ۱۔

”بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر اس امت میں ایک ایسا فرد پیدا فرمائے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا۔“

۱۔ ”سنن ابی داؤد“، کتاب الملاحم، باب ما یدکر فی قرن المائۃ، ج: ۲۹۱

اسلام چونکہ ایک ایسا دین ہے جو قیامت تک کے لیے ہے اس لیے ایک مناسب وقفے کے بعد امت کے لیے ایسے افراد کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے، جو ایک طرف تو اسلامی احکام کی تشریح و تعبیر عصر حاضر کے احوال و ظروف میں کرنے کی خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہوں اور دوسری طرف دین اسلام میں در آنے والی بدعات پر تنقید کر کے اسلام کی صحیح تعلیمات کو اجاگر کرنے کا فریضہ بھی انجام دیں۔ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق تجدید و احیائے دین کا یہ کام بسا اوقات ایک فرد سے لیا تو کبھی پوری جماعت سے۔ کسی دور میں تجدید و احیائے دین کی تحریک محض کسی خاص علاقے کی ضرورت تھی تو بسا اوقات یہ ضرورت پورے عالم اسلام کی تھی۔

شیخ مجددی دعوتی کوششوں کا تاریخی پس منظر:

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی [ؒ] (۹۷۱-۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳-۱۶۲۴ء) کے دور کا تنقیدی مطالعہ اس حقیقت کو مبرہن کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس وقت تجدید دین کی ایک عالمگیر تحریک کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اور بجا طور پر شیخ مجددیؒ کے تجدیدی کارناموں اور دعوتی کوششوں نے اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کیا۔ شیخ مجددیؒ کی تحریک اتنی ہمہ جہت اور بھرپور تھی کہ اپنے عالمگیر اثرات کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اس کی کوئی مثال کم ہی ملتی ہے۔ شیخ مجددیؒ کے اصل نام کے بجائے ”مجدد الف ثانی“ کا زبان زدِ عام لقب دراصل آپؒ کی عالمگیر دعوتی کوششوں کا اعتراف اور اس حقیقت کا اقرار ہے کہ اسلام کی گزشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ میں تجدید

دین کا جو کارنامہ شیخ مجددؒ نے انجام دیا ہے، وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کی کامیاب اور مقبول عام کوششوں کے نتیجے میں پورے عالم اسلام اور خاص طور پر برصغیر میں اسلام کو نئی زندگی نصیب ہوئی۔ شیخ مجددؒ نے تجدید و احیائے دین کا جو عظیم الشان کام انجام دیا اس کی صحیح قدر و قیمت اسی وقت واضح ہو سکتی ہے جب اس پس منظر اور ماحول کو سمجھا جائے جس میں یہ کارنامہ انجام دیا گیا ہے۔

ہندوستان کی داخلی صورتِ حال:

اسلام کی پہلی ہزاری کے اختتام پر عالم اسلام اور خاص طور پر برصغیر کی جو صورتِ حال تھی اس کے تاریخی مطالعہ کے بعد جو منظر ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے، وہ بڑا زلزلہ انگیز تھا۔ اسلام داخلی اور خارجی فتنوں کی زد میں تھا اور اپنے اصل تشخص سے بڑی تیزی کے ساتھ محروم ہو رہا تھا۔ داخلی فتنوں میں نام نہاد صوفیہ کی تعلیمات اسلامیانِ ہند کے لیے گمراہی کا سبب بن رہی تھیں۔ کچھ نام نہاد اہل تصوف ہندو فلسفہ کو اسلام کے پیرا ہن میں پیش کر رہے تھے۔ عوام الناس اور کم علم لوگ شریعت و طریقت کو دو متوازی دھارے سمجھ کر شدید گمراہی میں مبتلا ہو رہے تھے۔ شیخ مجددؒ سے پہلے کی پوری ایک صدی وحدۃ الوجودی صوفیہ کے عروج کی صدی کہی جاسکتی ہے۔ جب ”بدعتِ حسنہ“ کے نام پر ہر طرف بدعات ضلالہ کا سیلاب بہہ رہا تھا۔

اس دور میں ہندوستان میں جو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لیے خطرناک اور باعثِ تخریب تھیں۔ ان میں سے ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ ہے، جس کی بنیاد نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفِ اول پر اختتام اور الفِ ثانی کے لیے ایک نئی

نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے۔ یہ تحریک بلوچستان میں پھلی پھولی اس فرقہ کا بانی ملا محمد ۹۷۷ھ کو بمقام اٹک پیدا ہوا۔ دوسری تحریک جس نے اسلامیان ہند کو اس وقت شدید اضطراب میں مبتلا کیا وہ ہندوستان میں ”فرقہ روشنائی“ کا ظہور تھا اس فرقہ کا بانی بایزید المعروف ”پیر روشن“ تھا۔ یہ وحدہ الوجود کا قائل تھا اور نبوت کا دعویٰ دار تھا۔ اس دور کی ایک اور بڑی زلزلہ انگیز تحریک ”مہدویت“ تھی۔ جس کے بانی سید محمد جوینوری تھے انہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، وہ اگرچہ ۹۱۰ھ میں فوت ہو گئے لیکن اس تحریک کے اثرات پوری ایک صدی تک باقی رہے۔ اس تحریک کے اثرات ہندوستان اور افغانستان تک جا پہنچے۔

دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والی سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے، جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر آئے تھے، شیعہ مذہب قبول کر لیا اور خلفائے ثلاثہ پر علی الاعلان تبرّاک کرنے کا حکم دیا۔ دوسری طرف میر شمس الدین عراقی نے کشمیر میں بڑی سرگرمی سے شیعہ مذہب پھیلا یا۔ خود ۹۵۰ھ میں مغل بادشاہ ہمایوں کی فوجی امداد کے لیے عازم ایران ہوا۔ ایران میں شاہ طہماسپ نے ہمایوں کو تشیع قبول کرنے کی دعوت دی، ہمایوں اگرچہ شیعہ نہ ہوا تاہم اس کے دل میں شیعہ کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوا۔ ہندوستان کے داخلی حالات کا یہ ایک مختصر سا منظر ہے جو ہم نے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

روایتی مذاہب پر تنقید کا عالمی رجحان:

دوسری طرف عالمی سطح پر بھی مذہب کے حوالے سے نئے رجحانات مذہبی حلقوں میں

اضطراب پیدا کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی دور اور اس دور کا انسانی معاشرہ بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے متصل اور مربوط ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی ملک خواہ وہ دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا کیوں نہ ہو گرد و پیش میں آنے والے اہم واقعات، علمی اور فکری تحریکوں سے یکسر غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ اس دور میں دنیا کے فکری محاذ پر دو بڑی اہم تحریکوں کا ظہور ہوا، ان میں سے ایک اہل نقطہ یا ”نقطوی تحریک“ ہے۔ اس مذہب کا ظہور ایران میں ہوا، محمود پسخوانی گیلانی نے استرآباد میں ۸۰۰ھ میں اس نئے مذہب کا اعلان کیا۔ یہ ۸۳۲ھ میں فوت ہوا، دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں اس فرقے نے بڑا زور پکڑا۔ ان لوگوں کا نقطہ نظریہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف عربوں کے رسول ہیں اور ان کی نبوت صرف ایک ہزار سال کے لیے تھی اور اب دوسری ہزاری میں سیادت اور قیادت اہل عجم کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ نقطویوں کے نزدیک نبوت محمدی اپنی مدت پوری کر چکی تھی اور دین اسلام منسوخ ہو چکا تھا، لہذا دنیا کو ایک نئے دین کی ضرورت تھی۔

ایران میں شاہ عباس نے ۱۰۰۲ھ میں نقطویوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کروایا، یہ لوگ بھاگ کر ہندوستان آ گئے ان میں مولانا حیاتی کاشی بھی تھے، جو ۹۹۳ھ میں احمد نگر میں موجود تھے۔ اسی طرح شریف آملی جو نقطوی فرقہ کا بڑا عالم تھا، بھی ہندوستان چلا آیا، اکبر اس کا بڑا معتقد تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود پسخوانی کی تحریروں سے ثبوت پیش کر کے اکبر کو ”دین الہی“ کے اختراع کی ترغیب دی۔ اس نے محمود پسخوانی کی پیش گوئی بیان کی کہ ۹۹۰ھ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔ اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقررین کے زمرہ میں

شامل کر لیا۔ بنگالہ میں اسے دین الہی کا داعی مقرر کیا۔ وہ اکبر کے چار مخلص ترین یاروں میں شامل تھا۔ ابوالفضل بھی نقطوی تحریک سے متاثر تھا۔ ابوالفضل کو گمراہ کرنے میں بنیادی کردار شریف آملی ہی کا تھا۔ اکبر کی خواہش پر ملا عبد القادر بدایونی نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا، جس کے دیباچے میں ابوالفضل نے اکبر کے لیے جو القابات استعمال کیے ہیں، وہ صرف انبیاء ہی کے لائق ہیں۔ ۱۔ اکبر در حقیقت نبوت ہی کا دعویٰ دار تھا، تاہم شدید عوامی ردِ عمل کے خوف سے اس نے اس کا عام اعلان نہیں کیا۔ تاریخ کے تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقطوی تحریک ہی ”دین الہی“ کی بنیاد ہے اور ان میں باہم بہت سی اقدار مشترک ہیں۔ ۲۔

قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک اور تحریک جس سے غالباً اکبر متاثر ہوا وہ مارٹن لوتھر

۱۔ اسی دیباچے میں ابوالفضل نے اکبر کے لیے اس طرح کے القاب وضع کیے ہیں، مثلاً: ”سلطان عادل و برہان کامل“، ”ذیل قاطع خدادانی و حجت و رحمت روحانی“، ”قافلہ سالار حقیقی و مجازی“، ”پیشوائے خدا شناسان و مقتدائے بدی اساساں“، ”قبلہ خدا آگاہان“، ”پردہ بر انداز اسرار غیبی و چہرہ گشائے صورت لاریبی“، ”قاسم اوراق بندگان الہی“، ”ہادی علی الاطلاق و مہدی استحقاق“۔ (دیباچہ ”مہابھارت“، بحوالہ: ”تحریک نقطوی اور ”دین الہی“ پر اس کے اثرات“ ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ انڈیا، جلد: ۱۷۰، شمارہ: ۱، جولائی ۲۰۰۲ء)

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

”تحریک نقطوی اور ”دین الہی“ پر اس کے اثرات“ ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ

انڈیا، جلد: ۱۷۰، شمارہ: ۱، جولائی ۲۰۰۲ء

(۱۴۴۳-۱۵۴۶ء) کی تحریک ہے۔ مارٹن لوتھر پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی تھا جسے جدید عیسائیت میں ”مجتہدِ مطلق“ سمجھا جاتا ہے۔ مارٹن لوتھر نے عیسائی مذہب کے بنیادی تصورات کی چولیس ہلا کر رکھ دیں اور عقلی بنیادوں پر دین کی نئی تعبیر پیش کی، اگر ان تاریخی حوالوں کو پیش نظر رکھا جائے جن کے مطابق اکبر کے دربار میں عیسائی علما کا ایک مستقل گروہ اقامت پذیر تھا اور تورات و انجیل کے فارسی تراجم بھی خاص طور پر بادشاہ کے لیے حاصل کیے گئے تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اکبر عیسائی مذہب میں برپا ہونے والی پروٹسٹنٹ تحریک سے پوری طرح آگاہ تھا اور وہ اسلام میں بھی اسی نوعیت کی تبدیلیوں کا خواہاں تھا۔ اسی پس منظر میں ملا مبارک نے بادشاہ کے لیے ۹۸۷ھ میں ”مجتہدِ مطلق“ کا منصب تخلیق کیا، تاکہ بادشاہ اپنی مرضی سے مذہب کی ”تشکیل نو“ کر سکے۔ ہندوستان اور عالمی سطح پر مذہب کے حوالے سے جنم لینے والے شکوک و شبہات کے تناظر میں حضرت مجددؒ کی تحریکِ دعوت کو درپیش چیلنجز کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی کوششیں، دائرہ کار اور اثرات:

ہندوستان میں شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کئی محاذ فوری توجہ کے متقاضی تھے۔ ایک تو یہ کہ نام نہاد صوفیہ کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا قلع قمع کر کے اسلام کو اس کی اصل اور حقیقی شکل و صورت میں پیش کیا جائے۔ شیخ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں ”بدعتِ حسنہ“ کے تصور کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس طرزِ فکر کو دین

کی بنیادیں منہدم کرنے کے مساوی قرار دیا۔ ۱۔

بدعات کے رد میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں نے اسلامیان ہند اور متساہل صوفیہ پر جو اثرات مرتب کیے اس کے لیے یہاں ہم صرف ایک مثال بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ چشتی نظامی سلسلے کے مشہور شیخ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۳ھ) نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں بعض خطوط میں ہدایت کی ہے کہ چونکہ اس وقت بادشاہ کے ساتھ اورنگ آباد میں مجددی خاندان کے صاحبزادے بھی ہیں اس لیے سماعِ وقوالی کی مجلس منعقد کرنے میں احتیاط برتی جائے مبادا کہ ان حضرات کو گرانی اور تکدر ہو۔ ۲۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں صوفیہ کے طرزِ عمل میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔

وحدة الوجود کا عقیدہ مسلمان صوفیہ میں ہمیشہ موجود رہا ہے، یہ عقیدہ اصلاً راہِ سلوک کی منازل میں سے ایک منزل ہے، راہِ سلوک کے مبتدی کے لیے اس کی حقیقت کو سمجھنا آسان نہیں، جب بعض غیر محتاط صوفیہ نے عوامی سطح پر اس عقیدے کی تبلیغ شروع کی تو اس سے طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا فطری بات تھی اس لیے حضرت مجددؒ کے سامنے دوسرا محاذ یہ تھا کہ وحدة الوجودی صوفیہ کے نقطہ نظر کو اس انداز میں علمی تنقید کا نشانہ بنایا جائے کہ اہل تصوف کی حرمت بھی قائم رہے اور شریعت کا دامن بھی تار تار نہ ہونے

۱۔ ”مکتوباتِ امام ربّانی“، دفتر سوم، مکتوب: ۱۸۶، بنام خواجہ عبدالرحمن کالپی

۲۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ”تاریخ مشائخِ چشت“، صفحہ ۳۱۸-۳۱۹

پائے، اور حق یہ ہے کہ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس نازک منصب کو جس طرح نبھایا ہے، وہ بے مثال ہے۔ شیخ مجددؒ نے جس اسلوب میں شریعت و طریقت کے باہم لازم و ملزوم ہونے کے اصل اسلامی تصور کو پھر سے دریافت کیا ہے اس پر امت مسلمہ ہمیشہ ان کی احسان مندر ہے گی۔ آپؒ نے شریعت کو طریقت کی لونڈی سمجھنے والے نام نہاد صوفیہ پر شدید تنقید کی اور دلائل سے ثابت کیا کہ طریقت، شریعت کے تابع اور اس کی خادم ہے۔ حضرت مجددؒ کی دعوتی کوششوں سے اہل تصوف کے طرزِ عمل میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔

تیسرا محاذ رافضی فتنہ کا تھا جس کے تیزی سے پھیلنے ہوئے اثرات کو روکنا ضروری تھا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تبلیغی دوروں میں رافضی فتنے کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے اثرات کو روکنے کی کامیاب کوشش کی۔ آپؒ نے اہل سنت کے عقائد کی حقانیت کو اپنے مکتوبات میں جا بجا دلائل قطعیہ سے واضح کیا۔ جس کی مکمل تفصیل مکتوباتِ امام ربانیؒ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

چوتھا محاذ نبوتِ محمدی کی ابدیت پر چھائے ہوئے شکوک و شبہات کے گہرے بادل تھے جن کی تاریکیوں میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا تھا، یہ فتنہ بھی آپؒ کی فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اگرچہ اسلامیان ہند کے لیے اسلام کو دوبارہ بازیاب کرنا، نام نہاد صوفیاء کے برعکس روشن دلائل سے طریقت پر شریعت کی برتری ثابت کرنا اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ کا فیصلہ کن علمی تعاقب آپؒ کے عظیم تجدیدی کارنامے ہیں لیکن ان تمام کارناموں میں سے آپؒ کا سب سے بڑا کارنامہ، جس کے جلو میں باقی سب کارنامے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، نبوتِ محمدی کی ابدیت کو ثابت کرنا اور عامۃ الناس کو اس عقیدے پر مستحکم کرنا

ہے۔ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ”اثبات النبوة“ کو اسی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آپؒ نے اس رسالے میں نبوتِ محمدی کی ابدیت پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا خالص علمی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اکبر کے اسلام دشمنی پر مبنی رویے کی بنا پر ہندوستان ضلالت اور گمراہی کا مرکز بن چکا تھا اور حکومتی سرپرستی میں جس طرح اسلامی اقدار کا تمسخر اڑایا جا رہا تھا اس نے اسلامیان ہند کو شدید کرب میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روکنے والی کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو عالم اسلام اور بالخصوص ہندوستان کا انجام اندلس سے مختلف نہ ہوتا۔ اس دور کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ داعیان اسلام اور حق پرست علماء کے لیے یہ دور بڑا ہی فتنہ پرور اور صبر آزما تھا۔ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت شیخ مجددؒ کے سامنے اصلاح احوال کے ممکنہ طریقے تین ہی تھے:

☆ ایک، شیخ مجدد ملک و قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاتے۔ طالبین حق کی تربیت کرتے اور ذکر و فکر کے اندر مشغول رہ کر خلقِ خدا کو روحانی فوائد پہنچاتے۔ اور اس عہد کے ہزاروں علما و مشائخ اس طرز عمل پر کار فرما تھے، ملک میں ہزاروں خانقاہیں، یہ خدمت خاموشی اور یکسوئی سے انجام دے رہی تھیں۔ لیکن یہ چیز حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی افتادِ طبع اور اس بلند منصب کے خلاف تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ آپؒ روایتی پیری مریدی کے قائل نہ تھے اور سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو عوام الناس میں جو عزت و وقار اور احترام حاصل تھا اگر آپؒ روایتی پیری مریدی پر اتر آتے تو بلا مبالغہ آپؒ کے ارد گرد مریدین کا جم غفیر جمع ہو

جاتا۔

☆ حضرت شیخ مجددؒ کے پاس دوسرا آپشن (Option) یہ تھا کہ بادشاہ وقت کی اسلام دشمنی، جس کے سینکڑوں دلائل موجود تھے، کے خلاف مسلح محاذ آرائی کرتے اور اپنے ہزاروں بااثر مریدوں کی قیادت فرماتے ہوئے سلطنت کے اندر انقلاب برپا کر دیتے۔ یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی یا قائد کا طرز عمل تو ہو سکتا ہے جو دعوت اور نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنی بد تدبیری سے حکومت اور اہل اقتدار کو اپنا حریف اور مد مقابل بنا لیتا ہے اور نتیجہ کے طور پر غلبہٴ دین کے امکانات کو محدود اور تنگ کر لیتا ہے، لیکن حضرت مجدد صاحبؒ جیسے دور اندیش اور داعیانہ مزاج رکھنے والے شخص کے لیے اس راہ کو اختیار کرنا ممکن نہ تھا جس میں وقتی طور پر کامیابی کے امکان کے باوصف خلق خدا کے لیے جانی نقصان اور ملک میں شدید انتشار کا اندیشہ تھا۔

☆ حضرت مجددؒ کے پاس تیسرا آپشن (Option) یہ تھا کہ آپؒ ارکان سلطنت اور اُمراء سے تعلقات استوار کرتے اور ان کی دینی حمیت کو ابھارتے اور انھیں بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرتے اور اس ذریعے سے بادشاہ کی رگِ اسلامیت کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے اور خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے کامل استغناء کا ثبوت دیتے کہ آپؒ کا کوئی شدید ترین مخالف بھی آپؒ پر جاہ طلبی اور حصول اقتدار کی تہمت نہ لگا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ زندگی کو حرزِ جاں بنانے والا ایک سچا داعی وقتی کامرانیوں کے بجائے مستقبل پر نظر رکھتا ہے اور مدعو کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر ایسی شرائطِ صلح کو بھی قبول کر لیا جن سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کا تاثر بڑا نمایاں ہوتا تھا، لیکن داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نے وقتی پسپائی کو مستقبل کے دعوتی امکانات کی بنا پر قبول فرمایا اور بالآخر آپ کی داعیانہ بصیرت کا ساری دنیا نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں ۸ھ تک ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے بھی محاذ آرائی کے بجائے سنتِ نبوی کی پیروی میں دعوت کے امکانات کو پیش نظر رکھا اور یہی تیسرا رستہ اختیار فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کرسی اقتدار کی بجائے صاحبانِ اقتدار کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ درباری امراء میں کئی ایک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور کئی ایک آپؐ سے محبت و عقیدت رکھتے تھے اور دین کی گہری حمیت ان کے اندر موجود تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے انہی درباری امراء سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ قرطاس پر اپنا سینہ چاک کر کے رکھ دیا۔ جس دسوزی، للہیت اور درد و اخلاص کے ساتھ یہ خطوط احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں، چار صدیوں کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی قوتِ تاثیر میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بجا طور پر دعوت کے سنگلاخ میدان میں قدم رکھنے والے اولوا العزم داعیانِ اسلام کے لیے یہ خطوط نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خطوط شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زخمی دل کے صحیح ترجمان اور ان کے لختِ ہائے جگر ہیں، جنہوں نے ہندوستان کی عظیم مغلیہ سلطنت میں عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں کا نقطہ عروج جہانگیر کا دور ہے جب ۱۰۲۷ھ میں آپ کے داعی پوری دنیا میں پھیل چکے تھے۔ آپؐ نے اپنے بہت سے خلفا کو تبلیغ و

ہدایت کے لیے مختلف مقامات کی طرف روانہ فرمایا۔ ان میں سے ستر (۷۰) مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کیے گئے۔ چالیس (۴۰) حضرات مولانا فرح حسین رحمۃ اللہ علیہ کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس (۱۰) تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس (۳۰) خلفاء مولانا شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ کی سرداری میں توران، بدخشان اور خراسان کی طرف گئے۔ اور ان تمام حضرات کو اپنے اپنے مقامات پر زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ حضرت مجدد کے خلیفہ اجل حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مخلص اور با عظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں بار آور ہوئیں اور رفتہ رفتہ ہندوستان بارہویں صدی ہجری میں پوری دنیائے اسلام کا روحانی اور علمی مرکز بن گیا۔ مجددی خانقاہیں اور ان کے قائم کردہ مدارس سے ایک عالم نے فیض اٹھایا جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب دعوت کے نمایاں پہلو

☆ ایک مسلم ریاست میں دعوتِ دین کا محفوظ اور بہترین طریقہ کیا ہے؟ ایک داعی کا ہدف اقتدار ہے یا صاحبِ اقتدار؟ شیخ مجدد کی دعوتی زندگی کا یہ پہلو آج کے وارثانِ محراب و منبر، پیرانِ طریقت اور داعیانِ اسلام کے خصوصی توجہ کا متقاضی ہے، جو اقتدار اور جاہ و منصب کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔ شیخ مجدد نے انقلاب کی بجائے اصلاح کا اسلوب اختیار فرمایا۔ ایک ایسے دور میں جب آپ ہر اعتبار سے

درجہ کمال پر تھے، اور جہانگیر نے آپ کو قید کر لیا۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تو جہانگیر کا تختہ الٹ سکتے تھے، لیکن آپ نے اپنے صاحبزادگان اور مریدین کو صبر کی تلقین کی۔ اگرچہ اقتدار کے مصاحبین داعی کو اقتدار کے لیے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سازش داعی کی بے لوثی سے بے نقاب ہو جاتی ہے اور اگر صاحب اقتدار میں فطری سلامتی کی معمولی رفق بھی ہو تو وہ بہت جلد ایک سچے داعی کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی حکمت عملی میں یہ بات بڑی واضح تھی کہ آپ نے شاہان عالم کے نام دعوتی خطوط میں ان کو قبول اسلام کی صورت میں اقتدار کی سلامتی کی ضمانت مرحمت فرمائی۔ حضرت مجددؑ کی دعوتی زندگی میں بھی یہ پہلو نکھر کر سامنے آتا ہے۔ آپؑ نے کرسی اقتدار کو اپنا ہدف بنانے کی بجائے صاحب اقتدار کی اصلاح کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ آخر کار جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پورے وقار کے ساتھ رہا کرنے کا حکم دیا اور بادشاہ جس شخص کو وہ اپنے سامنے جھکانا چاہتا تھا خود اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔

بغیر تشدد کے اپنی بات منوانا دورِ حاضر کا ایک معروف فلسفہ ہے، اور امریکہ میں بارک حسین اوباما کی کامیابی کے پیچھے کالی نسل کے امریکیوں کی پچاس سالہ عدم تشدد پر مبنی تحریک ہی کا رفرما ہے۔ عام طور پر مہاتما گاندھی کو ”تحریک عدم تشدد“ کا بانی کہا جاتا ہے، لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ جس طرح حضرت مجددؑ کو ”دوقومی نظریہ“ کا بانی کہا جاتا ہے اسی طرح آپؑ بجا طور پر ”تحریک عدم تشدد“ کے بھی بانی ہیں۔ آپؑ نے ریاست سے ٹکڑے لیے بغیر جس طرح اپنے مشن کی تکمیل فرمائی۔ یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ گاندھی جیسا قوم پرست لیڈر جس کی برصغیر کی تاریخ پر گہری نظر ہو اور جو اکبر کا قدردان بھی ہو،

وہ حضرت مجددؑ کی تحریکِ دعوت اور اس کے اثرات سے آگاہ نہ ہو؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ گاندھی نے عدم تشدد کا سبق حضرت مجددؑ کی دعوتی تحریک ہی سے اخذ کیا ہے۔

☆ داعی اپنی دعوتی کوششوں کا ہدف ہر طبقے کو بناتا ہے، تاہم عام لوگ سوسائٹی کے سرکردہ افراد کو ہمیشہ رول ماڈل (Role Model) کے طور پر دیکھتے ہیں، اس لیے داعی کو سوسائٹی کے مؤثر افراد پر خصوصی محنت کرنی چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کی جو خصوصی دعا فرمائی تو اس کا اصل منشا بھی یہی تھا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوبِ دعوت میں یہ چیز بڑی نمایاں ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے گئے دعوتی خطوط کی بڑی تعداد وہ ہے جن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُمراء اور معاشرے کے سرکردہ افراد کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ اور ان کے سماجی اثر و رسوخ کی آڑ میں اصلاحِ احوال کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ حضرت مجددؑ نے جن اُمراء دربار اور اراکینِ سلطنت کے نام دعوتی خطوط لکھے ان میں خان اعظم، مرزا عزیز الدین، خان جہان خاں لودھی، خان خاناں مرزا عبدالرحیم، مرزا داراب، قلیچ خاں، اور سید فرید بخاری وغیرہ تھے۔ حضرت مجددؑ کے خطوط کی بڑی تعداد سید فرید بخاریؒ کے نام ہے، جو اکبری دور اور بعد ازاں جہانگیر کے دور میں دربار میں خاص اثر و رسوخ کے مالک تھے۔

☆ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوبِ دعوت کا ایک اور پہلو جو دعوتی تحریکوں اور ان کے کارکنان کے لیے قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ صرف وہی داعی اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے جو اپنے دور کے وسائلِ دعوت کو اپنے مشن کی کامیابی کے لیے احسن انداز میں استعمال کرتا ہے۔ حضرت مجددؑ نے ایک طرف اگر اپنے ذاتی کردار سے

خلق خدا کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کیا ہے تو دوسری طرف آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دعوتی خطوط کو اپنی تبلیغ کے لیے ایک مؤثر ترین ذریعے کے طور پر اختیار فرمایا، گویا آپؐ نے اپنے دور کی ”میڈیا وار“ میں دعوتی خطوط کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

حضرت مجددؑ کی دعوتی تحریک کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صرف وہی داعی اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے جو اپنے دور کے مزاج، زبان اور محاورے سے اچھی طرح واقف ہو اور لوگوں کو اس اسلوب میں مخاطب کرے جو ان کے لیے اجنبی نہ ہو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسلوب کا خوب لحاظ کیا ہے، آپؐ کے دعوتی مکتوب فارسی اور عربی زبان کے خوبصورت نثر پارے ہیں، جو اس دور کی زندہ زبانیں تھیں، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو جس محاورے میں مخاطب کیا ہے، اس دور کی سکھ رائج الوقت یہی تھا۔ دورِ حاضر میں داعیانِ اسلام کے لیے یہ اسلوب خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جو نہ صرف اپنے مخاطبین کی زبان اور محاورے سے ناواقف ہیں بلکہ اس فکری پس منظر سے بھی نابلد ہیں جس میں آج کی نئی نسل کی ذہنی تشکیل ہو رہی ہے، اور یہی چیز ان کی دعوت کے غیر موثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ دورِ حاضر میں وارثانِ محراب و منبر پر اصحابِ کھف کی مثال صادق آتی ہے، جن کی زبان اور سکھ دونوں لوگوں کے لیے اجنبی تھے۔

☆ ایک داعی کو عام آدمی کی نسبت زیادہ بردبار اور متحمل مزاج ہونا چاہیے۔ جس طرح فصلوں کے موسم ہوتے ہیں اسی طرح دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں جو بات ایک وقت میں کسی انسان یا سوسائٹی کے لیے اجنبی اور غیر مانوس ہوتی ہے کسی دوسرے وقت

میں وہی چیز ان کی نظر میں تریاق سے بڑھ کر ہوتی ہے اس لیے داعی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنا بڑا ضروری ہے۔ اس پہلو سے شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی زندگی ہماری خصوصی توجہ کی مستحق ہے، آپؑ نے دعوت کے بیج کی تخم ریزی کے لیے بڑے تحمل کے ساتھ مناسب اور موزوں وقت کا انتظار کیا، اگرچہ شیخ مجددؒ اپنی تجدیدی اور دعوتی کوششوں کا آغاز ۹۹۸ھ میں اس وقت کر چکے تھے جب آپؑ عہد اکبری میں آگرہ تشریف لائے، اس دور میں ملا مبارک اور اس کے بیٹوں (ابوالفضل اور فیضی) کا طوطی بولتا تھا، تاہم وہ حضرت مجددؒ کے مقام و مرتبے سے پوری طرح آگاہ تھے۔ بادشاہ اکبر کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا، اس وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۴۳ سال تھی اور درباری اُمراء سید صدر جہاں، خان خاناں اور مرتضیٰ خان وغیرہ کے ذریعے بادشاہ تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نصیحت آمیز پیغامات پہنچ چکے تھے، تاہم آپؑ نے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں فرمایا اور دعوت و تبلیغ میں بڑی حکمت کے ساتھ تدریج کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قدم بقدم آگے بڑھتے رہے، بالآخر حضرت مجددؒ کے زیر اثر اُمراء کا ایک ایسا مضبوط حلقہ قائم ہو گیا، جنہوں نے یہ عہد کیا کہ مستقبل میں اسی شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں اسلامی شریعت کی بحالی کا وعدہ کرے گا، چنانچہ جہانگیر نے یہ عہد کیا اور ان کی کوششوں سے وہ اکبر کا جانشین ہوا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اثر اُمراء کی وجہ سے ہی شہزادہ خسرو بادشاہ نہ بن سکا۔ بعد کے دور میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی بظاہر سیاسی کشمکش کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے

۱۔ علامہ محمد ہاشم کشمیری، ”زبدۃ المقامات“، ص: ۱۳۲، (مکتبہ انوار مدینہ، نور آباد، سیالکوٹ، ۱۴۰۷ھ)

یہ دراصل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر سے اکبر کی فکر کا فیصلہ کن ٹکڑاؤ تھا جس میں شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اکبری دور میں شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی حکمت عملی کو مکی عہدِ نبوت کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبر و تحمل کے ساتھ دارِ ارقم اور بعد ازاں شعب ابی طالب میں داعیانِ اسلام کی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے اور ان کو مختلف قبائل عرب کی طرف داعی اور مبلغ بنا کر بھیج رہے تھے، جن کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں عرب کا کوئی گھرانہ اسلام کی برکات سے محروم نہ رہا۔ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس حکمت عملی کے حقیقی اثرات اور ثمرات بھی بعد کے دور میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

☆ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی زندگی سے ایک اور اسلوب جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح ایک داعی بدترین حالات میں بھی دستیاب مواقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور دلوں کی زمین کو دعوت کے بیج کی تخم ریزی کے لیے ہموار کر لیتا ہے۔ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر جب جہانگیر نے حضرت مجدد کو قید خانے میں ڈال دیا تو ایامِ اسیری میں حضرت مجددؒ نے حضرت یوسفؑ کی سنت کو اس طرح زندہ کیا کہ سینکڑوں قیدی آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور ان میں سے بہتوں نے آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی کتاب (The preaching of Islam) میں لکھتے ہیں:

”شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے، جو شیعہ عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں جو رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انہیں قید کر دیا، دو برس وہ قید میں رہے، اور اس

مدت میں انہوں نے اپنے رفقاءِ زنداں میں سے سینکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنالیا۔^۱

انسائیکلو پیڈیا آف ریچن اینڈ اتھلس (Encyclopedia of Religion and Ethics) میں ہے:

”ہندوستان میں سترھویں صدی عیسوی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد ہے، جو ناحق قید کر دیے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔“^۲

قید سے رہائی کے بعد بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی دانائی سے دعوت و تبلیغ کے مواقع پیدا فرمائے۔ جہانگیر نے ترک میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت کو خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور ان کو جانے اور ساتھ رہنے کا اختیار دیا لیکن انہوں نے ہر کامیابی کو ترجیح دی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و اصلاح کے لیے اس موقع کو غنیمت جانا آپ اپنے صاحبزادگان کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں: اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔^۳ آپ شاہی لشکری کے ساتھ تقریباً ساڑھے تین سال تک رہے۔ آپ نے اپنی بے لوث دعوت سے شاہی دربار اور پوری لشکرگاہ کو خانقاہ میں تبدیل کر دیا۔ جہانگیر پر تو اس کا اثر یہ ہوا کہ نور جہاں، جو نہ صرف سلطنت کی

۱۔ T.W.Arnold, The preaching of Islam, P-412

۲۔ Encyclopedia of religion and Ethics, Vol-8, P748

۳۔ ”مکتوباتِ امام ربانی“، مکتوب: ۴۳، دفتر سوم

ملکہ تھی بلکہ جہانگیر کے دل کی بھی ملکہ تھی، اپنی تمام تر کفر سامانیوں کے باوجود اسے شیعیت کی طرف مائل نہ کر سکی۔ جہانگیر کے اندر نئے دینی رجحان پیدا ہوئے، اس نے منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر، اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام میں دلچسپی شروع کی۔ ۱۰۳۱ء میں قلعہ کانگڑا کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا اور وہاں شعائر اسلام کا اجرا کرایا۔ اس سے بھی جہانگیر کے اندر آنے والی مذہبی تبدیلی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے^۱۔ مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود جہانگیر نے یہ چاہا کہ دربار میں ہر وقت چار ایسے علما حاضر رہیں جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں، اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے^۲۔ شاہی خاندان اور درباری امراء کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی^۳ اور ان کے خاندان کے تعلقات اس قدر خوش گوار ہوئے کہ اس کے اثرات عالمگیر کی وفات تک واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اورنگزیب عالمگیر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتا تھا،^۴ بادشاہ نے متعدد بار حضرت مجدد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سے درخواست کی کہ وہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہا کریں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا، اور اس کے بجائے اپنے فرزند گرامی خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا۔ مکتوبات معصومیہ میں مکتوب نمبر ۲۲۱ اور مکتوب نمبر ۲۴۷ بادشاہ کے نام ہیں جبکہ مکتوبات سیفیہ میں اٹھارہ مکتوب بادشاہ کے

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: توزک جہانگیری، ص ۳۴۰

(۲) ”مکتوباتِ امام ربّانی“، مکتوب ۵۳: بنام شیخ فرید بخاری، دفتر اول، مکتوب ۱۹۴: بنام صدر جہاں دفتر اول

(۳) مکتوب سیفیہ، مکتوب ۸۳: بنام صوفی سعد اللہ افغانی

نام ہیں، جن سے بادشاہ کے مجددی خاندان سے قریبی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

☆ اگر داعی مدعو کی زبان، ان کی ثقافت اور کلچر سے واقف ہو تو اس کے لیے دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے اور اگر داعی انہی میں سے ایک فرد ہو تو مدعو کے لیے اجنبیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں میں بھی یہ حکمت عملی بھی بڑی نمایاں ہے کہ آپؑ نے مختلف علاقوں کی طرف جو مبلغ اور دعاۃ روانہ فرمائے ان میں سے اکثر لوگ یا تو انہیں علاقوں سے تعلق رکھتے تھے یا پھر وہ ان علاقوں کی زبان اور لوگوں کے پس منظر سے پوری طرح واقف تھے جس کی وجہ سے ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ بہت سے علما و مشائخ جو اپنے علاقوں میں احترام کے حامل تھے آپؑ نے انہیں بیعت و خلافت کے بعد ان کے اپنے علاقوں کی طرف روانہ فرمایا، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر بدخشیؒ، طالقان کے جید شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابیؒ، شیخ احمد برسی، مولانا یار محمد، اور مولانا یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے اکثر حضرات کو خلافت و اجازت عطا فرما کر اپنے اپنے علاقوں اور مقامات کو واپس بھیج دیا، اسی طرح آپؑ نے پورے ہندوستان کے کونے کونے میں اپنے داعی روانہ فرمائے۔^۱

المختصر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دعوتی تحریک تاریخ اسلام کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ حضرت مجددؑ کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اکبر کے انتقال کے ساتھ ہی ”دین الہی“ بھی

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”روضۃ القیومیہ“، جلد اول، ص ۱۲۸-۱۲۹

موت کی وادی میں داخل ہو گیا، بدعات کا سیلاب رک گیا، اور لوگوں کا رسالتِ محمدی کی
 ابدیت پر ایمان مستحکم ہوا۔ حضرت مجددؑ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے ہر طرح کے
 مصائب و آلام کو برداشت کیا اور نبوی اسلوبِ دعوت کو اپنے عمل سے زندہ کیا۔

حضرت امام ربّانی مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات

ڈاکٹر محفوظ احمد

صدر شعبہ اسلامیات

جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

قرآن مجید میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے یہ چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

- ۱۔ تلاوتِ قرآن حکیم
- ۲۔ تعلیم الکتاب
- ۳۔ تعلیم حکمت
- ۴۔ تزکیہ نفس

سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۲۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اسی سورت کی آیت: ۱۵۱ میں خبر اور سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کی صورت میں ان مقاصد بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔

دعائے ابراہیمی میں تلاوت، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس جب کہ باقی دونوں مقامات پر تلاوت، تزکیہ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کی ترتیب ہے۔ ان مقاصد اربعہ کا حاصل تزکیہ نفس ہے جب کہ باقی تینوں مقاصد اس بنیادی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ جس شخص میں ان مقاصد ثلاثہ کا جتنا کمال ہوگا اس کا نفس اتنا ہی زیادہ پاکیزہ ہوگا۔

اس بنیادی مقصد بعثت جسے بعد میں علم التصوف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، کی اہمیت، طریق کار اور اس کے دیگر تعلقات سے متعلق تیسری صدی ہجری

سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا اس کے بعد امت مسلمہ کے مشاہیر علماء اور صوفیہ نے سیکڑوں کتب تصنیف کیں یہ کتب تصنیفی و تالیفی، شعری و نثری اور ملفوظاتی و مکتوباتی انداز میں تحریر کی گئیں ان کتب میں درج ذیل کتب معروف ہیں۔

۱۔ شیخ الحارث بن اسد الحاسبی (م ۲۴۳ھ) الرعاية لحقوق الله

۲۔ شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی السراج الطوسی (م ۳۷۸ھ) کتاب اللمع فی التصوف

۳۔ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوزان القشیری (م ۴۶۵ھ) الرسالة القشيرية

۴۔ شیخ علی بن عثمان الھجویری (م ۴۶۵ھ) کشف المحجوب

۵۔ خواجہ امیر حسن علاء سنجر دہلوی (م ۷۳۶ھ) (مرتب) فوائد الفوائد

ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (م ۷۲۵ھ)

۶۔ نام مرتب نامعلوم، مکتوبات حضرت باقی باللہ دہلوی (م ۱۰۱۲ھ)

۷۔ شیخ شرف الدین مصلح الدین سعدی شیرازی (م ۱۲۹۲ھ) کریم

اگرچہ ان تمام کتب میں تصوف سے متعلق مباحث کو جامع انداز میں تحریر کیا گیا ہے لیکن علم التصوف کے اسرار و رموز جس جامعیت اور گہرائی کے ساتھ حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز (م ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات شریف میں بیان کیے گئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا دفتر اول جو در المعرفت کے نام سے موسوم ہے، کو مولنا یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی (م ۱۰۲۵ھ)، دفتر دوم نور الخلائق کو حضرت مولنا عبدالحی حصاری (م ۱۰۲۸ھ) اور دفتر سوم معرفۃ الخلائق یا بحر المعارف کو حضرت مولنا خواجہ محمد ہاشم برہانپوری (م ۱۰۳۱ھ) نے مدون کیا۔ ان مکاتیب

کی کل تعداد ۵۳۶ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ محمد عربی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے مکمل نائب تھے۔ مقاصد نبوت کی تجدید آپ کی بعثت کا اہم مقصد تھا اس لیے آپ کی سیرت مبارکہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عکس تھی جس طرح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر پہلو سے بنی نوع انسان کی راہنمائی فرمائی اس طرح آپ نے بھی مسلمانوں کے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاست وغیرہ کی قرآن و سنت کی روشنی میں اصلاح فرمائی۔

علم کی اہمیت ہر دین میں ہمہ وقت مسلمہ رہی لیکن آپ کے عہد میں چند لوگوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کے برعکس علم کا تصور پیش کیا۔ لہذا آپ نے اپنے مکتوبات میں علم کا صحیح اسلامی تصور پیش کیا۔ زیر نظر مقالہ میں آپ کے تعلیمی نظریات آپ کے مکتوبات کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں۔

علم کا مفہوم:

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) نے علم کے معنی اس طرح بیان کیا:

”العلم ادراک الشئ بحقیقۃ“ (۱)

کسی چیز کی حقیقت کا ادراک علم کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ”علم الشئ ای عرفہ“ اس نے فلاں چیز کا علم حاصل کر لیا یعنی اس نے پہچان حاصل کی۔ فارسی میں علم کا معنی

دائنسن“ ۱۔ ہے یعنی کسی چیز کا جاننا اور اس کی پہچان حاصل کرنا۔ علم کی ضد ”جہل“ ہے ادراک، شعور اور معرفت لفظ علم کے مترادفات ہیں۔ عام طور پر ہر قسم کا ادراک علم کہلاتا ہے لیکن اصطلاح میں علم اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی شے کا ادراک ہوتا ہے جو شخص علم کے کسی درجے کو حاصل کرے اسے عالم کہا جاتا ہے۔ امام ابو القاسم (م ۶۱۵ھ) کے نزدیک عالم وہ شخص ہے جو حواس اور عقل کے ذریعہ بعض حقائق کا ادراک کرتا ہے ۲۔ لغوی اعتبار سے علم کا اطلاق بے شمار شعبوں پر ہوتا ہے لیکن بنیادی طور پر علم سے مراد علوم دینیہ ہیں جو فکر و عمل کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔ دیگر علوم یا تو بلا واسطہ علوم دینیہ کے معاون ہیں یا بلا واسطہ معاون ہیں۔ معاون علوم کو علوم آلیہ اور دیگر کو فنون کیا جاتا ہے۔ ۳۔

علم کی ضرورت و اہمیت:

علم کی ضرورت و اہمیت اجاگر کرنے میں ادیان عالم میں اسلام کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے مقابلے میں خلافت الہیہ کا حقدار علمی فوقیت کی بنا پر قرار دیا ہے ۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ ساتھی جس نے مارب سے القدس تک ۲۵۰۰ کلومیٹر تقریباً یک طرفہ مسافت سے ملکہ سبا کے تخت کو پلک جھپکنے سے قبل اس کا تخت لے آنے کی حامی بھری اس کا سبب بھی علم قرار پایا گیا۔ فرمایا گیا

۱۔ غیاث الدین، غیاث اللغات، نول کشور، لکھنؤ، (ت۔ن) ص: ۲۶۹

۲۔ ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، ”علم“ دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد ۱۳، ص: ۲۳۵

۳۔ محمد صدیق ہزاروی، کشف المجتب اور جامع مباحث علم، مجلہ معارف اولیاء، (ج ۶ شمارہ اتفوری ۲۰۰۸)

مرکز معارف اولیاء، محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب، لاہور ص ۹ ۴۔ سورۃ البقرہ ۳۱-۳۳

”قال الذی عنده علم من الکتب انا اُتیک به قبل

ان ترئد الیک طرفک“ ۱۔

جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اُسے (تخت کو) آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طالوت کو خلعت بادشاہت اس لیے دی کہ اُسے علمی اور جسمانی صلاحیتوں میں امتیاز حاصل تھا ۲۔

علم کے حوالے سے ایک اصولی موقف یہ پیش کیا گیا کہ علم والے اور بغیر علم والے برابر نہیں ۳۔

قرآن مجید کے ان ارشادات کے علاوہ محمد عربی علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احادیث مبارکہ میں بھی علم کی اہمیت نمایاں طور پر بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ۴۔

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ۵۔

تم خود علم حاصل کرو اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھاؤ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں علم کی ضرورت و اہمیت کے

۳۔ سورۃ الزمر ۹

۲۔ سورۃ البقرہ ۲۴۷

۴۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (المقدمہ، باب فضل العلماء) نور محمد، کراچی، ۱۳۸۱ء، ص: ۲۰

۵۔ امام دارقطنی، سنن دارقطنی (کتاب الفرائض حدیث نمبر ۴۶) عبداللہ ہاشم، مدینہ منورہ ۹۶۶ھ/۸۲

پیش نظر دو قسم کے اقدامات فرمائے۔

اول۔ اپنے مقتدیوں کو حصول علم کی نصیحت فرمائی چنانچہ میر عبد اللہ بن میر نعمان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:

”موسم جوانی را غنیمت دانستہ بتحصیل علوم شرعیہ و عمل بمقتضائے
آن علوم اشتغال دارند“
ترجمہ:

موسم جوانی کو غنیمت جان کر شرعی علوم حاصل کرنے اور ان علوم
کے مطابق عمل کرنے میں مشغول رہیں۔

آپ نے علم کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا:

انسان کے لیے نجاتِ ابدی تین باتوں میں ہے، ان میں اول علم
پھر عمل اور آخر میں اخلاص ہے۔ ۱

دوم: آپ نے وہ متعلقین جو تدریس علم میں مشغول تھے انہیں علوم کی تدریس میں تاکید
فرمایا چنانچہ آپ نے علامہ احمد برکی سے فرمایا:

علوم کی تدریس میں کسی طرح کوتاہی نہ کریں اگر آپ کا سارا
وقت درس میں لگ جائے تو اچھا ہے ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں
رات کی ساعتیں ذکر و فکر کے لیے فراخ ہیں ۲

۱۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۱۷۹

۲۔ ایضاً۔ مکتوب: ۵۹ ۳۔ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۴

آپ کے نزدیک علم کی ضرورت محض علم کا حاصل کرنا نہیں بلکہ اس علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔ یہ بات حضرت خاتم المرسلین وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے یوں ارشاد فرمائی:

ان اشد الناس عذابا يوم القيمة عالم لم ينفعه الله بعلمه ۱

بے شک لوگوں میں سے قیامت کے دن زیادہ عذاب کا مستحق وہ

عالم ہے جسے اپنے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہو

ایک مکتوب میں آپ نے یہ فرمایا کہ:

میرا یقین ہے کہ ان نصائح اور مسائل میں سے اکثر تمہارے کان

تک پہنچ چکے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مقصود عمل ہے صرف علم

مقصود نہیں۔ بیمار اگر مرض کا علاج جانتا ہو تو جب تک دوا استعمال

نہیں کرے گا صحت نہیں ہوگی دوا کا علم کچھ فائدہ نہیں دے گا ۲

شیخ نظام تھانی سری کو تحریر کردہ مکتوب میں آپ نے فرمایا:

”علم بیان و مجاہدہ است یکے مجاہدہ در طلب آن قبل از حصول و

مجاہدہ دوم در استعمال آن بعد از حصول“ ۳

علم و مجاہدوں کا بیان ہے ایک وہ مجاہدہ جو علم حاصل ہونے سے پہلے اس کی

طلب میں ہوتا ہے دوسرا وہ مجاہدہ جو علم حاصل ہونے کے بعد اس کے عمل کرنے میں ہوتا

ہے۔

۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی، شعب الایمان (باب فی نشر العلم حدیث نمبر ۸۷۷۸)۔

مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ، ۱۹۹۰ء/۲/۲۸۵

۳۔ ایضاً، مکتوب: ۲۹

۲۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۳۳

نظریاتی اصلاح:

چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں مستوفین (جعلی پیر) بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے مادی فوائد کے پیش نظر صوفیہ کرام کی مخالفت کی اور تصوف کے لیے علم کی ضرورت سے انکار کیا جس کی درحقیقت ان میں کمی تھی۔ اس طرح انہوں نے تصوف میں علم کی اہمیت کو لایعنی قرار دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مستوفین کے اس نظریہ کا رد فرمایا نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کو تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات سے حاصل ہوتے ہیں۔ انسانی کمال بشمول علم اللہ تعالیٰ کے کمالات و صفات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ہرچہ در انسان از کمالات است ہمہ مستفاد از مرتبہ وجوب است تعالت
 و تقدست اگر علم است مستفاد از علم آن مرتبہ است و اگر قدرت است
 نیز ماخوذ از قدرت آن مرتبہ علیٰ ہذا القیاس۔ اما کمال ہر مرتبہ باندازہ
 آن مرتبہ است علم انسان در جب علم واجب تعالیٰ و تقدس حکم مردہ دارد کہ
 لاشی محض است نسبت بہ زندہ کہ بحیات ابدی زندگی یافتہ باشد
 ترجمہ:

تمام انسانی کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات سے مستفاد ہیں اگر علم ہے
 تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو
 بھی اس مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ۔ علیٰ ہذا القیاس لیکن ہر مرتبہ
 کا کمال اس مرتبہ کے اندازہ کے موافق ہے انسان کے علم کو

اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہی نسبت ہے جو مردہ کو اس
زندہ کے ساتھ نسبت ہے جس نے حیات ابدی سے زندگی پائی
ہو۔ ۱

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی شخص کو جو کمال بھی حاصل
ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور انسانی کمال کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے کوئی نسبت
نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے انسان کس طرح کمالات حاصل کر سکتا ہے اس کے بارے میں
آپ نے فرمایا:

کہ اس دنیا میں تمام کمالات انسانی کے حصول کا ذریعہ قرآن
حکیم ہے ۲ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے

اقسام علم:

حضرت امام ربّانی قدس سرہ العزیز نے مکتوبات شریف میں نہ صرف علوم کی
مختلف اقسام کا ذکر فرمایا بلکہ ان علوم کے ترجیحی درجات کی نشاندہی بھی فرمائی۔
آپ نے جن اقسام علم کا ذکر فرمایا ان میں سے اہم علوم یہ ہیں

۱۔ علم الاحکام ۲۔ علم الاسرار ۳

۱۔ امام ربّانی، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۴۳، ۳۱۰

۳۔ ایضاً، مکتوب: ۲۶۸

۲۔ ایضاً، مکتوب: ۱۶۲

شیخ بدیع الدین کی طرف لکھے گئے ایک مکتوب میں آپ نے فرمایا:
 علم الاحکام سے مراد قرآن مجید کی محکم آیات کا علم ہے اس کو علم
 الشرائع بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی محکم آیات علم الشرائع کا
 منشأ اور مبدأ ہیں۔ یہ علم قرآن مجید کا قشر یعنی پوست ہے ۱۔
 اس علم کی وضاحت میں آپ نے فرمایا:

کہ وہ علوم و معارف جو نبوت اور اس نبوت کی ولایت کے مقام
 کے مناسب ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے شرائع ہیں چونکہ
 مراتب نبوت میں تفاوت ہے اس لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و
 السلام کے شرائع میں بھی اس تفاوت کے موافق اختلاف پیدا ہوا
 ہے۔ ۲۔

علم الاسرار:

قرآنی آیات کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا
 هو الذی انزل علیک الکتب منه ایت محکمات
 هن ام الکتب و اخر متشبهت ۳
 اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اس کتاب کی
 کچھ آیات محکم ہیں جو ام الکتب ہیں اور کچھ متشابہات ہیں۔

۱۔ امام ربّانی، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۸، ۲۷۶

۳۔ سورة آل عمران ۷: ۷۰

۲۔ ایضاً دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰

حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ ان متشابہات آیات کا علم ہی علم الاسرار ہے یہ آیات اس علم کا
مبدأ ہیں۔ علم الاحکام اگرچہ قرآن حکیم کے امّات ہیں لیکن ان
آیات کے نتائج و ثمرات علم الاسرار میں ہیں۔ یہ علم درحقیقت
مغز قرآن ہے ۱۔

ان علوم کے تعارف کے بعد علم الشرائع جسے علم الفقہ بھی کہا جاتا ہے کی بابت آپ نے
فرمایا:

علم الفقہ وہ علم ہے جس سے مقصود عمل ہے۔ انسان کی نجات جن
تین چیزوں میں ہے ان میں سے ایک علم الفقہ ہے۔ ۲۔
علامہ احمد برکی کو ارسال کیے گئے مکتوب میں آپ نے فرمایا:
آپ پر لازم ہے کہ علوم دینیہ کی تعلیم دیں اور جہاں تک ہو سکے
احکام فقہیہ کو پھیلائیں کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود ہیں اور انہی
پر ترقی اور نجات کا مدار ہے ۳۔

مذموم اور بے ہودہ علوم:

عصر حاضر میں عموماً علم کی تقسیم دینی اور دنیاوی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ قرآن
و حدیث اور ان سے متعلقہ علوم کو دینی اور دیگر علوم کو دنیاوی علوم کہا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت امام ربّانی، مکتوباب، دفتر اول، مکتوب: ۲۷۶

۳۔ ایضاً، مکتوب: ۲۷۶

۲۔ ایضاً، مکتوب: ۵۹

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور پہلو سے بعض علوم کو مذموم علوم قرار دیا۔ آپ کے نزدیک ہر وہ علم مذموم ہے جس میں کوئی شخص گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق منقطع کر لے چنانچہ آپ نے فرمایا:

علم اشیاء بواسطہ گرفتاری باشیاء کہ مستلزم اعراض است از جناب
قدس او تعالیٰ وصف ذم پیدا کردہ بود و چوں گرفتاری باشیاء زائل
گشت علم اشیاء مذموم نشد، علم اشیاء چگونہ مذموم بود۔
یعنی اگر اشیاء کے علم میں اشیاء کی گرفتاری کے باعث حق تعالیٰ
سے روگردانی ہو تو ان اشیاء کا علم مذموم ہوگا۔ اگر اشیاء کے علم
میں اشیاء کی گرفتاری ختم ہو جائے تو اشیاء کا علم مذموم نہیں ہوگا۔

آپ کے اس فرمان کے مطابق کائنات میں موجود اشیاء کا علم یا کسی بھی قسم کا علم اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق منقطع کرنے کا باعث نہیں تو وہ علم مذموم نہیں۔

ایسے ہی آپ نے ان علوم کو بے ہودہ علوم قرار دیا جو لایعنی اور لا حاصل ہیں
یعنی جن کا حصول نہ دنیاوی لحاظ سے فائدہ مند ہو اور نہ دینی لحاظ سے۔ آپ نے اس کی
مثال علم ہندسہ یعنی جیومیٹری کی بعض اشکال کے علم سے دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

از علوم متسق و منتظم ایشان علم ہندسہ است کہ لایعنی محض است و
مالاطال صرف۔ مساوات زوایاے مثلث مرد و قائمہ راجحکارے
آید و شکل عروسی و مامونی کہ جانکاہ ایشان ست“ ۲

آٹھویں عقیدہ کی وضاحت میں آپ نے فرمایا:

مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی، بے ہودہ اور بے فائدہ ہے بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویہ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور مامونی جوان کے نزدیک بڑی مشکل ہے کس غرض کے لیے ہے۔

یہ مکتوب آپ نے اپنے پیرزادوں حضرت خواجہ عبداللہ اور حضرت خواجہ عبید اللہ علیہما رحمۃ کی خدمت میں ارسال فرمایا۔ اس مکتوب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد کارآمد مسائل کا ذکر فرمایا اور اہل فلاسفہ کی مذمت فرمائی جنہوں نے غلط عقائد کی ترویج کی۔

آٹھواں عقیدہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے متعلق یہ تھا کہ فلاسفہ نے اس واجب الوجود کو معطل اور بے کار سمجھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے علوم جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو معطل اور بے کار قرار دیا جائے تو وہ بے ہودہ اور قابل مذمت نہیں تو اور کیا ہے۔ علم ہندسہ کی ان اشکال کے علم کو بھی آپ نے بے مقصد ہونے پر بے فائدہ قرار دیا۔ لیکن اس علم سے کسی قسم کا کوئی غلط عقیدہ ثابت نہیں کیا۔ بہر حال اگر یہ علم انسانیت کے لیے فائدہ مند ہے تو یہ مذموم اور بے ہودہ علم قرار نہیں پائے گا۔ اس علم کو درس نظامی میں بھی شامل کیا گیا۔ اس علم کی ایک کتاب ”اقلیدس“ باقاعدہ درس نظامی کے نصاب کا حصہ رہی جس کی وجہ علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے یہ بیان کی کہ یہ علم فکر انسان کی نشوونما اور علم المیراث کے مسائل حل کرنے میں معاون ہوتا ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ علوم بھی بیکار ہیں جن کی تعلیمات سے انسان قرآن و حدیث کی تعلیمات سے دور ہو جاتا ہے یا بنیادی عقائد

اسلامیہ سے انکار کر دیتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

فلاسفہ بے خرد کمال را در ایجاب دانستہ نفی اختیار از واجب تعالیٰ
نمودہ اثبات ایجاب نمودہ اند این بیخردان واجب را تعالیٰ
و تقدس معطل و بیکار دانستہ اند^۱

بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے
اختیار کی نفی کر کے ایجاب کو ثابت کیا اور ان بے وقوفوں نے اس
واجب الوجود کو معطل اور بے کار سمجھا ہے

اور اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

علم طب، نجوم اور علم تہذیب الاخلاق جو ان تمام علوم میں بہتر
ہیں گذشتہ انبیاء کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے
چرا کر اپنے باطل اور بے ہودہ علوم کو رائج کیا^۲

اس طرح آپ نے متعدد مکاتیب میں فلاسفہ کے ان باطل نظریات و عقائد کا ذکر کرنے
کے بعد ایک مکتوب میں نتیجہ کے طور پر یہ فرمایا:

بالجملہ تصدیق اینہا و تصدیق علوم اینہا مستلزم تکذیب انبیاء و
تکذیب علوم انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتحیات^۳

بہر حال ان (فلاسفہ) کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء کرام اور ان کے علوم کی
تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نفیض ہیں۔ ایک کی تصدیق

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۲۳

میں دوسرے کی تکذیب ہے۔ اب جو چاہے انبیاء کرام کی ملت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے گروہ میں شامل ہو جائے اور نجات پائے اور جو چاہے فلسفی بن کر شیطان کے گروہ میں داخل ہو اور ہمیشہ کے لیے ناامید ہو جائے۔

بہر حال آپ کسی بھی علم کی مخالفت محض اس کے دنیاوی علم ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اگر کسی بھی علم کا کوئی پہلو شریعت اسلامیہ کے مخالف ہے تو اس وجہ سے اسے مذموم علم قرار دیتے ہیں اور اگر اس علم کا کوئی پہلو شریعت سے متعلق ہے تو اسے مستحسن علم فرماتے ہیں۔

علم نجوم جس کا بظاہر دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس علم کے بارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر

زاد و مازاد ۱

جس نے علم النجوم سے کچھ سیکھا وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے جادو کا کچھ علم سیکھا۔ اب جتنا زیادہ علم نجوم حاصل کرے اس نے اتنا ہی زیادہ جادو حاصل کیا۔

گویا اس حدیث میں علم نجوم کے تعلیم و تعلم کو جادو کا ایک حصہ قرار دیا گیا جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ علم نجوم نماز کے اوقات پہچاننے

کے لیے درکار ہے۔ اس طرح علم منطق اور حساب وغیرہ کے حاصل کرنے کی بھی مجملّاً ضرورت ہے۔ غرض بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم کی تحصیل اور ان میں مشغولیت کا جواز ثابت ہو جاتا ہے بشرطیہ کہ احکام شریعہ کی معرفت اور علم کلام کی دلیلوں کی تقویت کے سوا ان کے حاصل کرنے کا کوئی اور مقصد نہ ہو ۲۔

ضرورتِ علم:

حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی علم کی اہمیت اس علم کے اوصاف و خصائص کے علاوہ متعلم کی شخصیت و ضرورت کے حوالے سے بھی ہے یعنی ایک شخص جسے علم العقائد کی ضرورت ہے۔ اُسے علم الاخلاق کی کتب نہیں پڑھانی چاہیے۔ علامہ ابن سنی کو آپ نے ارشاد فرمایا:

نومسلموں کو وہ عقائد کلامیہ جو فارسی کتب میں مذکور ہیں اور احکام فقہیہ کی بھی تعلیم دیں تاکہ اس کے موافق اپنی زندگی بسر کریں اس نومسلم کے لیے کتاب گلستان و بوستان کا پڑھنا بیکاری میں داخل ہے۔ ۲۔

علم شریعت کی فوقیت:

حضرت امام ربّانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں نہ

صرف مختلف علوم کی اقسام کا ذکر فرمایا بلکہ ان علوم میں آپ نے جس علم کو سب سے زیادہ فوقیت دی وہ شریعت کا علم ہے۔ آپ شریعت کے علم کو ایک معیار قرار دیتے ہیں اگر کسی بھی علم کا شریعت کے علم سے تضاد ہو جائے تو علم شریعت کو ترجیح حاصل ہوگی اور دیگر علوم کو رد کر دیا جائے گا۔

علم لدنی جو واقعاً بہت فضیلت والا علم ہے اس علم کی بابت آپ نے فرمایا کہ علم لدنی سے مراد وہ علم ہے جو انسان کو سکر کی کیفیت میں کشف کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جبکہ علم شریعت وہ علم ہے جو اڈلہ شرعیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں۔
علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت است با صریح علوم شریعہ اگر
سرموتجاوز است از سکر است ۱

علوم لدنیہ کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ شریعت کے صریح مطابق ہوں اگر بال بھر تجاوز ہو تو وہ سکر

ہے

علمی نظریات میں تطبیق:

بعض غیر دینی علوم نے اپنے اندر اتنی وسعت پیدا کی کہ ان علوم کے ماہرین نے بعض خالصتاً دینی مباحث جیسے عقائد، اصول فقہ اور تصوف میں براہ راست مداخلت کی۔ علم منطق اس حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے اس علم میں علم کی تمام اقسام کے علاوہ یہ دو اقسام بھی اہم ہیں:

۲۔ علم حصولی

۱۔ علم حضوری

علم حضوری:

مناطقہ کے نزدیک علم حضوری اس چیز کا علم ہے جس کی ذات معلوم ہو لیکن وہ ذات نہ تو صورت کی محتاج ہو اور نہ ہی اس میں صورت کا کوئی واسطہ ہو جیسے مغیبات یعنی ذات باری تعالیٰ، فرشتوں، جنت اور دوزخ وغیرہ کا علم ۱۔
اس علم کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

۱۔ اس علم میں نفس شے کا صرف انکشاف ہے ادراک نہیں لہذا اللہ تعالیٰ سے متعلق یہی علم ہے ۲۔

ب۔ علم حضوری نفس سے متعلق ہے اس علم سے عارف اپنا تعلق واجب تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر لیتا ہے ۳۔

ج۔ یہ وہ علم ہے جو عالم کو اپنی ذات کے ماسوا سے حاصل ہوتا ہے اس کے حاصل ہونے کا طریق عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے اور اس علم میں صورت کے حصول کی طرف محتاج نہیں ہوتا وہ اپنی ذات کا علم ہے اور یہی علم حضوری ہے ۴۔

۱۔ مولانا افتخار علی، شرح مرقات، مکتب خانہ امدادیہ، دیوبند (ت۔ن) ص ۶

۲۔ حضرت امام ربّانی، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۴۸

۳۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۵

۴۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۵۲، ۴۹

د۔ اگر صورت کو شے کے ساتھ تغایر کی نسبت پیدا ہو جائے تو صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہ ہوگا وہ علم حضوری ہی ہے جہاں نفس شے مدرکہ میں حاضر ہے پس علم حضوری افضل ہے بلکہ علم ہی یہی ہے۔ اس علم میں عالم و معلوم میں اتحاد ہے اس علم میں معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت ۱۔

ھ۔ اس علم کی بابت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے خواجہ محمد سعید سے فرمایا:

”معاملہ اقریبیتِ او تعالیٰ بعلم حضوری مربوط است کہ تعلق باصل معلوم دارد نہ بظلمے از ظلال معلوم و بصورتے از صور آن کہ نصیب علم حصولیست“

اللہ تعالیٰ کی اقریبیت کا معاملہ علم حضوری سے وابستہ ہے جو معلوم کے اصل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل اور اُس کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ کہ یہ علم حضوری کا نصیب ہے ۲۔

علم حصولی:

منطقیوں کے نزدیک اس سے مراد اس چیز کا علم ہے جس کی صورت معلوم ہو جیسے انسان، حیوان، سورج، چاند اور دیگر مرنی اشیاء۔ علم حصولی کی یہ پانچ صورتیں ہیں:

اول: ”حصول صورة الشئ فى العقل“ کسی چیز کی صورت کا عقل میں آنا

دوم: ”الصورة الحاصلة من الشئ عند العقل“ کسی چیز کی معلوم شکل کا عقل میں آنا

سوم: ”الحاضر عندا المُدرک“ وہ حاضر اور وجود جو مدرک (علم حاصل کرنے والے) کے پاس ہے

چہارم: ”قبول النفس لتلك الصورة“ نفس ناطقہ اس صورت کو قبول بھی کرے

پنجم: ”الاضافة الى صلة بين العالم والمعلوم“ وہ نسبت جو عالم اور معلوم کے درمیان حاصل ہو۔

ان صورتوں میں تیسری صورت علم حصولی اور علم حضوری سے متعلق ہے۔ یعنی اگر حاضر کی ذات معلوم ہے اور صورت کا اس میں کوئی واسطہ نہیں تو علم حضوری ہے اور اگر صرف صورت معلوم ہے اور ذات کا علم نہیں تو یہ علم حصولی ہے۔

منطقیوں کے نزدیک یہ دونوں علم باہم متضاد ہیں اگر کسی چیز کا علم حصولی ہے تو اس کا علم حضوری نہیں اور اگر کسی کا علم حضوری ہے تو وہ علم حصولی نہیں۔ ۱

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حصولی کی بابت ارشاد فرمایا:

۱۔ علم حصولی آفاق کی نسبت ہے ۱۔

۲۔ وہ علم جس کا تعلق اشیاء کے ساتھ ہے علم حصولی کی قسم میں

سے ہے۔ ۲۔

۳۔ اس علم میں شے کا انکشاف بھی ہے اور ادراک بھی نیز یہ علم درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے۔

۴۔ یہ علم درحقیقت نفس شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفس شے کی نسبت زیادہ جہل ثابت ہوتا ہے ۴۔

۵۔ وہ صفات جن کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے ۵۔

آپ نے علم کی ان دونوں اقسام کو باہم مربوط کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے ۱۔

۲۔ جب حق تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ عارف تام المعرفة پر ظاہر ہوتا ہے اور اس بلند مقام پر متجلی ہوتا ہے تو یہ نفس اس کے حق میں

۱۔ مکتوبات حضرت امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۴۹ ۲۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۳۰۶

۳۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۵۲ ۴۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۴۸

۵۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰ ۶۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۵۲

آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی ہو جاتا ہے۔ وہ علم حضوری جو عارف کے اپنے نفس کے ساتھ تعلق رکھتا تھا واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے اور عارف کے اپنے نفس کا علم جو علم حضوری تھا علم حصولی ہو جاتا ہے۔ ۱۔

۳۔ مراتب (روحانیہ) جو اعتبارات ذاتیہ کا منتہی ہے ان کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہوگا۔ ۲۔

۴۔ علم حصولی کا پہلا نسیان فناء سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فناء نفس کو مستلزم ہے جو اتم و اکمل ہے ۳۔

۵۔ نفس کا فنا نفسِ امارہ کے فنا پر موقوف ہے پہلے فنا میں علم حصولی کا زوال ہے دوسرے میں علم حضوری کا ۴۔

ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف ان دونوں علوم کو باہم مربوط کیا بلکہ ان علوم کو مقامات تصوف سے منسلک بھی کیا۔

درجاتِ علم:

حضرت امام ربّانی رضی اللہ عنہ نے علم سے متعلق مذکورہ تصورات کے علاوہ علم کے درجات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک علم کے یہ درجات ہیں

۱۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۴۹ ۲۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰

۳۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۵۲ ۴۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۶۰

علمِ ظاہر:

کسی بھی عبادت کے ظاہری مفہوم اور ظاہری الفاظ کے علم کو علمِ ظاہر کہا جاتا ہے لیکن آپ نے علمِ ظاہر کی بابت یہ فرمایا:

یہ علم کتاب و سنت کے محکمات کا علم ہے ۱۔

محکمات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شرائع اور احکام کا علم ”علمِ ظاہر“ ہے۔ ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

”علماء ظواہر از علم موجود مخلوق علم بوجود خالق پیدا میکنند و وجود اثر
رادلایل بر وجود موثر ساختہ ایمانے و یقینے بوجود موثر حاصل
مینمایند“ ۲۔

مخلوق کے علم سے علماء ظاہر وجود خالق کا علم پیدا کرتے ہیں اور
اثر کے وجود کو موثر کے وجود پر دلیل بنا کر موثر کے وجود کا ایمان
و یقین حاصل کرتے ہیں گویا علماء ظاہر کا یہ عمل علمِ ظاہر ہے۔

رسوخ فی العلم:

رسوخ فی العلم کے الفاظ قرآن مجید کے اس آیت سے ماخوذ ہیں جس کے
الفاظ یہ ہیں:

۱۔ مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر دوم، مکتوب: ۱۸ ۲۔ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۵۰

فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء
الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله والراسخون
فى العلم يقولون انا به كل من عند ربنا ۱
پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس (قرآن) کے اس حصہ
کے پیچھے ہو جاتے ہیں جو مشتبہ المراد ہیں شورش ڈھونڈنے کے غرض
سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا
(صحیح) مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم
(دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان
لائے اور (اس پر یقین رکھتے ہیں) کہ تمام (محکم اور متشابہ) آیات
ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

عموماً کسی بھی علم میں پختگی کو اس علم کا رسوخ فی العلم کہا جاتا ہے لیکن حضرت امام ربّانی
رسوخ فی العلم کے متعلق فرماتے ہیں:

۱۔ متشابہات کا علم یا تشابہات کی تاویلات کا علم رسوخ فی العلم کہلاتا ہے

۲

۲۔ کمالات ولایت کا درجات کو قطع کر کے مقام دعوت ”جو انبیاء کا خاصہ
ہے“ کہ مقام پر پہنچ کر تجلیات و مشاہدات کے حاصل ہونے کے بعد
اثر سے مؤثر پر استدلال کرنا رسوخ فی العلم کہلاتا ہے ۳

۱۔ سورہ آل عمران ۷۰: ۳۰ ۲۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۱۳، ۱۸، ۵۴

۳۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۷۷، دفتر دوم، مکتوب: ۴، ۳۹

گویا آپ کے نزدیک محض علم سے اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود کا ایمان و یقین حاصل کرنا علم ظاہر ہے جب کہ کمالات ولایت کے حصول اور تجلیات و مشاہدات کے بعد اثر سے مؤثر پر استدلال کرنا رسوخ فی العلم ہے۔
 علم ظاہر میں غلطی کا امکان ہے لیکن رسوخ فی العلم میں چونکہ ولایت کے بعد مشاہدہ بھی ہوتا ہے لہذا اس علم میں غلطی کا امکان ختم اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔
 علم کے ان دو درجات کے علاوہ آپ نے یقین کے حوالے سے علم کی تین اقسام علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا بیان مختلف مکتوبات میں فرمایا ہے۔ ۱۔

علماء کی اقسام:

ان درجات علم کی مناسبت سے حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کی یہ اقسام بیان فرمائیں۔

علمائے ظاہر: وہ علماء جو شریعت کی ظاہری صورت کو جانتے ہیں۔ آیات محکمات جو فقر قرآن ہے کا علم رکھتے ہیں۔ عقائد درست کرنے کے بعد شرائع و احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ان کا نصیب ہے اس طرح اثر سے مؤثر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا ان علماء کا کام ہے۔ ۲۔

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۷۷/ دفتر دوم، مکتوب: ۴، ۱۳۹

۲۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۹/ دفتر دوم، مکتوب: ۱۳، ۱۸/ دفتر سوم، مکتوب: ۵۰

علمائے راسخین: وہ علماء جو محکمات کے علاوہ متشابہات جو کہ مغز قرآن ہیں کا علم رکھتے ہیں دنیا سے بے رغبت اور جاہ، ریاست، مال اور بلندی کی محبت سے آزاد ہیں۔^۱

عالم صوفی: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو (محکمات و متشابہات کے) علم کے ساتھ تصوف پر بھی عمل پیرا ہیں۔ ان لوگوں کے بارے آپ نے فرمایا ”جو کوئی عالم صوفی ہے وہ کبریت احمر یعنی اکسیر ہے یہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے۔ کیونکہ وہ دونوں علوم کا عالم ہے۔^۲

علمائے سوء: ان علماء کے بارے آپ نے فرمایا کہ وہ علماء جن کا علم ان کے اپنے نفس کے حق میں صفر ہو علماء سوء کہلاتے ہیں۔ یہ علماء شیطان کے نائب ہیں۔^۳

علماء کی اقسام ذکر کرنے کے بعد آپ نے متعدد مکاتیب میں علماء کے فضائل بھی بیان فرمائے ایک مکتوب میں آپ نے فرمایا:

قیامت کے روز علماء کی روشنائی اور شہید کے خون کا وزن کیا جائے گا تو روشنائی کا وزن خون سے بڑھ جائے گا۔^۴

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر اول مکتوب: ۳۳۳/دفتر دوم، مکتوب: ۱۳، ۱۸۔

۲۔ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۵۷۔ ۳۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۳۳۳۔ ۴۔ ایضاً

علماء حق کے فضائل کے علاوہ آپ نے علماء سوء کی مذمت بھی بیان فرمائی اس ضمن میں آپ نے فرمایا:

ایسے علماء دین کے چور ہیں اور شیطان کے نائب ہیں۔ ۱۔
الغرض حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جمیع اقسام علم میں سے علم شریعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کوئی بھی علم جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مخالف ہے وہ علم مذموم ہے اگر کسی علم کا کسی بھی طرح سے اسلام کے ساتھ تعلق ہے تو اس کو حاصل کرنا جائز ہے
کسی بھی شخص کو اس کی دینی حالات کے مطابق جن علمی کتب کی ضرورت ہو اسے انہیں کتب کو پڑھنا چاہیے اس کے علاوہ دیگر کتب خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہوں اس کے لیے درست نہیں

آپ کی تعلیمات کے مطابق علم شریعت ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے کسی بھی قسم کا علم اگرچہ وہ علم لدنی ہی کیوں نہ ہو اس کے صحیح ہونے کا معیار علم شریعت ہے۔
آپ کے نزدیک علم کے حصول کے دو بڑے درجے ہیں۔ علم ظاہر یعنی شرائع و احکام کا علم جب کہ رسوخ فی العلم وہ درجہ ہے جس میں کوئی شخص قرب الہی کا وہ مقام حاصل کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ براہ راست اس کے دل میں علوم و معارف اتارتا ہے۔
علم جو اللہ تعالیٰ کی اہم صفت ہے جو لوگ اس صفت الہی سے جس قدر متصف ہوتے ہیں ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ہی بلند ہوتا ہے بشرطیکہ ان میں حُب دنیاء اور حُب جاہ کی بجائے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو۔

حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کا عربی اسلوبِ نگارش (عربی مکاتیب کی روشنی میں)

ڈاکٹر افتخار احمد خان

شعبہ عربی جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين
وعلى اله وأصحابه أجمعين أما بعد!
فقال الله سبحانه وتعالى:

الْإِنِّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ - ۱

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کا شمار ان اُسطین امت اور مصلحین میں ہوتا ہے جنہوں نے اِحيائے اسلام اور اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے گر انقدر خدمات انجام دیں اور وقت کے سنگین فتنوں کا سد باب کیا، امت کو جرأت افکار کی حقیقت سے آگاہی بخشی اور خاموش انقلاب بپا کیا۔ آپ رحمہ اللہ ۹۷۱ھ ہند میں پیدا ہوئے آپ کی پرورش ہند میں مروجہ طریقوں کے مطابق ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اور کچھ علوم و فنون اپنے والد محترم سے سیکھے اور علامہ کمال کشمیری جیسے نامور اساتذہ سے زانوئے تلمذ کیا۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیفات میں سے رسالہ تہلیلہ ، رسالہ اثبات النبوة، مبدأ ومعاد، مکاشفات غیبیہ اور معارف لدنیہ قابل ذکر ہیں۔ ان نگارشات میں سے رسالہ اثبات

النبوة، رسالہ تہلیلہ اور بعض دیگر مکتوبات جو عربی میں ہیں یہی ہمارے مقالہ کا موضوع ہیں جسکو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عربی مکتوبات کا تعارف و اہمیت ۲۔ مکتوبات امام ربّانی کا تجزیاتی و منہجی مطالعہ ۳۔ عربی اسلوب نگارش کے فنی محاسن

مکتوب نگاری کا فن قدیم ہے جس کے آغاز کا تاریخی طور پر تو صحیح علم نہیں ہو سکا البتہ اسکے شواہد قبل از اسلام زمانہ جاہلیت سے ملتے ہیں اور قدیم ترین کُتّاب میں سے عدی بن زید، لقیط بن یعمر الایادی اور حرب بن امیہ جدّ معاویہ بن ابی سفیان کے اسماء قابل ذکر ہیں ۲۔ جب ہم عصر صدر اسلام کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔

کہ لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن فراست نبوی کی بدولت اسمیں خاصا اضافہ ہوتا چلا گیا اور سیدنا علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے مشہور و معروف کاتبین نہ صرف منظر عام پر آئے بلکہ گراں قدر خدمات بھی انجام دیں یہ سلسلہ بڑی شد و مد سے آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ اموی و عباسی دور میں مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا اور سرکاری سطح پر ارباب حکومت سے پذیرائی ملی اور دیوان الجند، دیوان الخراج، دیوان البرید، دیوان الخاتم، دیوان الرسائل جیسے معاہد وجود میں آئے اور مکتوب نگاری کے ارتقاء و تطور میں اہم کردار ادا کیا جس کی بدولت معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ، حجاج بن یوسف، عبد الحمید الکاتب، ابن المقفع، جاحظ، ابو العلاء المعری اور

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ الاغانی لامعانی ۲۰، ۱۸، ۲۳، و جمہورۃ انساب العرب ص ۲۰۳، اور المفصل فی

تاریخ الأدب العربی لاحمد الاسکندر ص ۱۶۱، الفن ومذاہبہ فی النثر العربی لشوقی ضیف ص ۱۸، و جمہورہ

رسائل العرب لاحمد زکی مکتوت۔

حسن بصری، جیسے اصحاب فن پیدا ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی برصغیر پاک و ہند کے نامور ادیب صوفی و مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جنہوں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کرتے ہوئے مکاتیب کو اپنے پیغام کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا اور باطل فکر کو مٹایا اسی طرف علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار
برصغیر پاک و ہند میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا نام دینی بیداری اور مسلم
تشخص کی حفاظت کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کے مکاتیب نے علمی و فکری اور
دعوتی و تحریکی میادین میں اپنی اہمیت کو منوایا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام اور کام
کو دوام بخشا کہ انکی شخصیت کے ہر پہلو پر دنیا بھر میں لکھا جا رہا ہے! پاکستان میں فکر
مجدد پر کام کرنے والوں میں صوفی غلام سرور نقشبندی ۲ ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۳ اور
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ۴ اور پروفیسر محمد اقبال مجددی ۵ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”مکتوبات امام ربانی کے مآخذ از ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، 2008، تحقیقات لاہور
اور راقم کا مقالہ بعنوان ”درستہ و تحقیق کتب امام ربانی“، مطبوعہ مجلہ معارف اولیاء لاہور۔

۲۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجے میں ارمغانِ امام ربانی (مجموعہ مقالات) فکرِ ربانی (مجموعہ مقالات) عقائد اہل سنت
و جماعت، اور نذرِ مجدد (مجموعہ مقالات) قابل ذکر ہیں۔

۳۔ آپ کی بے مثال کاوش موسومہ جہانِ امام ربانی 11 مجلدات میں اور باقیات جہانِ امام ربانی تین مجلدات کی شکل میں ہے
۴۔ آپ کی نگارشات میں مجدد الف ثانی کی تفسیری و فقہی خدمات مقالہ برائے پی ایچ ڈی مکتوبات امام ربانی کے مآخذ، اور
معارف حدیث قابل ذکر ہیں۔

(۷) آپ کی جھود سے مقامات معصوی، مقامات مظہری و دیگر کتب شائع ہوئیں۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکاتیب تین دفاتر پر مشتمل ہیں ان میں ۵۳۶ مکتوبات اور مکتوب البھم کی تعداد ۱۹۲ ہے۔ اس گرانقدر علمی سرمایہ میں ۲۲ مکتوبات عربی میں ہیں شیخ کے عربی اسلوب نگارش پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ عربی مکاتیب کے موضوعات کا تعارف، اہمیت و افادیت اور اثر انگیزی پر بات کی جائے

دفتر اول: یہ ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے اور در المعرفت کے نام سے موسوم ہے اس میں ۱۲ مکتوبات عربی میں ہیں باقی سارے فارسی میں ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۱: یہ مکتوب شیخ محمد بن موسیٰ مکی لاہوری کی طرف ہے جس میں درجات ولایت خصوصاً ولایت محمدی اور نسبت نقشبندیہ کی بلندی اور انکے دائمی حضور کا ذکر ہے۔

مکتوب ۲۲: یہ مکتوب شیخ عبد المجید کی طرف ہے جس میں روح اور نفس کا باہمی تعلق، انکے عروج و نزول، روحی و جسدی فنا و بقا کا ذکر ہے اور اسی طرح مقام دعوت، فانی اور مخلوق کی طرف لوٹائے گئے اولیاء کے درمیان فرق اور اللہ تعالیٰ کے نور کو ظلمت اور لامکانی کو مکانی کے ساتھ جمع کرنے کا ذکر ہے۔

مکتوب ۲۳۔ یہ مکتوب عبد الرحیم جو خان خاناں کے نام سے مشہور ہیں کی طرف لکھا گیا اس میں شیخ ناقص سے اخذ طریقہ سے منع کرنے، اسکے مضرات، اور کفریہ القابات رکھنے سے روکنے کا ذکر ہے

مکتوب ۲۴۔ یہ محمد قلیچ خان کی طرف ہے اس میں درج ذیل امور زیر بحث ہیں:

(i) صوفی کائنات بائن ہوتا ہے

(ii) دل ایک سے زیادہ اشیاء سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔

(iii) محبت ذاتی کا ظہور۔

(iv) مقررین و ابرار کی عبادت کے درمیان فرق
(v) بندہ اور رب تعالیٰ کے درمیان حجاب صرف نفس ہے
(vi) محبت ذاتی موجود ہونے کی صورت میں محبوب کا انعام اور اس کی طرف سے تکلیف دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

(vii) ابرار و نیکوکار اللہ تعالیٰ کی عبادت، خوفِ عذاب اور طمعِ ثواب کے لئے کرتے ہیں
مکتوب ۲۵: یہ مکتوب خواجہ جہان کی طرف ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی متابعت کی ترغیب کا ذکر ہے یہ کہ تمام کمالات روح و برّ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہیں۔

مکتوب ۲۶: یہ خط مولانا الحاج محمد لاہوری کی طرف ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ شوق ابرار کو ہوتا ہے نہ کہ مقررین کو۔

مکتوب ۱۳۵: یہ رسالہ مخلص دوست محمد صدیق کی طرف مراتب ولایت اور بعض خصوصیات کے بارے میں ہے یہ کہ ولایت خاصہ محمدیہ عروج و نزول کے دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے تمام مراتب ولایت سے ممتاز ہے۔

مکتوب ۱۵۸: یہ مکتوب شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا گیا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ استعدادوں میں فرق کے مطابق مراتب کمال میں بھی فرق ہوتا ہے اور یہ کہ کمال میں تفاوت کبھی کمیت کے لحاظ اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی بیک وقت دونوں اعتبار سے ہوتا ہے۔

مکتوب ۲۰۵: یہ مختصر سا رسالہ محمد اشرف کابلی کی طرف لکھا جس میں اصل مقصود صاحب شریعت ﷺ کی متابعت کا ذکر ہے۔

مکتوب ۲۸۹: مولانا بدر الدین کی طرف لکھے گئے اس خط میں قضا و قدر کے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں اور یہ موصوف کے طویل ترین عربی خطوط میں سے ہے۔

مکتوب ۲۹۷: اس مکتوب کے مرسل الیہ مولانا بدر الدین سرہندی ہیں جس میں ذات الہی کے احاطہ کرنے کا ذکر اور اسکی مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے، اور اسی طرح وجوبی و امکانی مراتب کی حفاظت و رعایت کا ذکر ہے

مکتوب ۳۰۸: اس کے مکتوب الیہ مولانا فیض اللہ پانی پتی ہیں جس میں معروف حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ”کلمتان خفیفتان علی اللسان و ثقیلتان فی المیزان —.....“ کی وضاحت کی گئی ہے

دفتر دوم: یہ دفتر ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے اور نور الخلائق کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک عربی مکتوب ہے جو مولانا محمد صدیق کی طرف ہے جس میں اللہ تعالیٰ بعض کالمین کے ساتھ بالمشافہتہ کلام فرماتا ہے کا ذکر ہے۔

دفتر سوم: یہ دفتر قرآن کی سور کے مطابق ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل ہے اور معرفۃ الحقائق کے نام سے موسوم ہے بعد میں دس مکاتیب کا اضافہ ہوا اس طرح کل تعداد ۱۲۴ ہو گئی اس میں ۹ مکتوبات عربی میں ہیں جن کے مضامین کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مکتوب ۱۹: اس خط کے مرسل الیہ میر محمد نعمان ہیں جس میں قرآنی آیت مَا اَتَاكُم الرسول فَخُذُوہ کی وضاحت کی گئی ہے

مکتوب ۴۵: یہ رسالہ مولانا سلطان سرہندی کی طرف ہے جس میں مومن کے دل کے بلند مقام و مرتبہ اور ایذا رسانی سے منع کرنے کا ذکر ہے۔

مکتوب ۴۶: یہ خط مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا جس میں عروج و نزول کا ذکر

ہے یہ خط معنی منقول ہے۔

مکتوب ۵۳: حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا گیا یہ خط ذات اور صفات کے وجودی اور شہودی طور پر زوال کے ذکر کے متعلق ہے۔

مکتوب ۷۴۔ اس رسالہ کے مکتوب ۱۱۸ مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم ہیں جس میں صاحب فصوص ابن عربی کے کلام کی شرح تجلی ذات اور اسکی تحقیق اور اس بارے میں آپ رحمہ اللہ کی خاص رائے کا ذکر ہے۔

مکتوب ۱۱۷۔ اس کتاب کے مکتوب ۱۱۸ شیخ غلام محمد ہیں جس میں قرآنی آیت ان فی ذلک لذكری کے مفہوم کی وضاحت اور دیگر اعتراضات کا ذکر ہے

مکتوب ۱۱۸: یہ مکتوب مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف ہے جس میں شیخ سھروردی کی کتاب العوارف میں مذکور مرفوع حدیث مصطفیٰ ”قرآن کی جو بھی آیت ہے اس کا ایک ظاہر اور ایک باطن..... کی وضاحت کا ذکر ہے

مکتوب ۱۱۹: یہ خط مولانا مودود محمد کی طرف ہے جس میں شیخ شہاب الدین سھروردی کی کتاب العوارف کے نویں باب جس میں ”صوفیہ کی طرف منسوب اقوال“ کی وضاحت کا ذکر ہے۔ ان میں مذکورہ موضوعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی نے تصوف سے متعلق اہم ترین موضوعات پر گفتگو فرمائی ہے لہذا ایسے موضوعات جو حقیقت میں ناقص اور تصوف کے حوالہ سے قابل اعتراض تھے ان پر تنقید بھی فرمائی ہے یوں لگتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر تصوف سے متعلق رائج اور مشہور مصطلحات کی وضاحت بھی تھی کہ آپ نے غلط رسوم و رواج پر رائج الوقت نظریات کی تصحیح کے عظیم الشان منصب پر فائز ہوتے ہوئے انتہائی محتاط و تحقیقی رویہ اپنایا ہے۔ جہاں تک آپ کے منہج

کا تعلق ہے تو وہ بہت سے فنی اوصاف و خصائص سے متصف ہے چند ایک محاسن حسب ذیل ہیں :

☆ اکثر مکاتیب گرامی دعائیہ کلمات سے شروع ہوتے ہیں جس سے حضرت شیخ کا انداز گفتگو بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی کہ آپ کے قلب مبارک میں عامۃ الناس کے لئے جس قدر چاہتیں اور خواہشیں پوشیدہ تھیں ایسا لگتا ہے کہ دل مبارک ان خوبصورت جذبات و احساسات کی آماجگاہ تھا جن سے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا سینہ نور معمور تھا آپ کے مستعملہ اور مستخدمہ دعائیہ کلمات میں سے :

الحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفى ۱

سَلِّمُكُمْ اللهُ سُبْحَانَهُ وَعَافَاكُمْ بِحَرَمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ

عليه وعلى آله الصلوات والتسليمات ۲

سَلِّمُ اللهُ تَعَالَى قَلْبَكُمْ وَشَرَحْ صَدْرَكُمْ وَزَكِّ

نَفْسَكُمْ.... ۳

ثَبَّتْنَا اللهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ عَلَى جَادَةِ الشَّرِيعَةِ

الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ وَالتَّحِيَّةِ ۴

۱۔ مکتوبات امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب: ۵۱، ۷۴، ۱۱۷ ۲۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۳

۳۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۵ ۴۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على
رسوله محمد وآله اجمعين ۱

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی سیدنا ومولانا وشفیع
ذنوبنا محمد وآله واصحابہ ۲ قابل ذکر ہیں اسی طرح
مکتوبات کے اختتام پر بھی دعائیہ کلمات بکثرت آئے ہیں
جیسے:

والسلام علیکم وعلى جميع من اتبع الهدى ۳

والسلام ختام الکلام ۴

والسلام اولاً و آخراً ۵

الحمد لله اولاً و آخراً والصلوة والسلام على نبيه
دائماً و سرمداً ۶

والسلام على من اتبع الهدى والتزم متابعة
المصطفى عليه وعلى آله الصلوات والتسليمات
دائماً ۷

۱- مکتوب: ۴۵	۲- مکتوب: ۴۶	۳- مکتوب: ۲۱، ۲۳، ۲۹، ۵۱
۴- مکتوب: ۲۲	۵- مکتوب: ۲۴	۶- مکتوب: ۲۶
		۷- مکتوب: ۲۰۵

☆ دعائیہ کلمات کے بعد کبھی کبھی اما بعد کے کلمات بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپکا مکتوب: ۴۵ جو سلطان السرهندی کی طرف مؤمن کے دل کے بلند مقام و مرتبہ کے بارے میں ہے اور مکتوب: ۲۸۹ جو مولانا بدرالدین کی طرف اسرار قضا و قدر کے متعلق ہے۔

☆ قرآنی آیات و احادیث نبویہ سے استشہاد و استدلال آپکے منہج کی اہم ترین خوبیوں میں سے ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجددؑ کے ہاں استدلال کی اساس کس قدر قوی و مضبوط ہے اور یہ تاثر بھی زائل ہوا کہ صوفیہ کے ہاں علمی پیش رفت مطلوب نہیں ہوتی بلکہ انکے ہاں صرف عقیدت مندی کی کاروائی کا فرما ہوتی ہے دفتر اول مکتوب: ۲۳، ۲۶، ۱۵۸، ۲۸۹، ۳۰۸، دفتر دوم مکتوب: ۵۱، اور دفتر سوم مکتوب: ۹، ۱۹، ۴۶، ۵۳، ۱۱۷، ۱۱۸ اس ضمن میں خوبصورت کڑیاں ہیں۔

☆ چوتھی صفت یہ ہے کہ آپ نے جا بجا اپنے کلام کو عربی و فارسی شعراء کے کلام سے مزین فرمایا ہے جو آپکی وسعت نظری، کثرت مطالعہ اور عمیق سوچ کا آئینہ دار ہیں اس امر کی توثیق کے لئے مکتوب: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۱۳۵ دفتر سوم مکتوب: ۵۳، ۷۴ ملاحظہ فرمائیے۔

☆ منہج مجدد الف ثانیؑ کے خصائص میں سے استدلال عقلی و نقلی ایک اہم وصف ہے اور یہ انداز مکاتیب میں واضح اور کھلا ہوا محسوس ہوتا ہے جس کی عمدہ مثال میر محمد نعمان کو آیت مبارکہ ﴿ما اتاکم الرسول فخذوه﴾ کی وضاحت میں لکھا ہوا مکتوب ہے۔

☆ مخالفین کا رد اور معترضین کے اعتراضات کا جواب نہایت ہی بلیغ، علمی، ادبی و تحقیقی

انداز میں دیتے ہیں یہ ان مکاتیب کا امتیاز ہے جس کی واضح و بین مثال شیخ غلام محمد کی طرف آیت مبارکہ ﴿ان فسی ذلک لذكری﴾ کی وضاحت اور دیگر اعتراضات کے جواب میں لکھا ہوا مکتوب اور مولانا بدر الدین کی طرف اسرار قضاء و قدر کے متعلق لکھا ہوا مکتوب ہے۔

☆ شیخ مجدد ”صلح“ اور داعی تھے آپکا داعیانہ لب و لہجہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے آپ ایسے الفاظ و کلمات کا انتخاب کرتے ہیں جو جزلہ و مالوفہ اور عام فہم ہوتے ہیں اور ان میں اپنائیت اور پیار کا رنگ نظر آتا ہے، اور اسی طرح ہر شخصیت کے شایان شان القابات استعمال کرتے اور نبی رحمت ﷺ کے نام نامی کے ساتھ درود و سلام لکھنے کا نہ صرف اہتمام فرماتے بلکہ ایسے کلمات کا انتخاب فرماتے جس سے آپ کی محبوب رب العالمین احمد مختی ﷺ کے ساتھ بے پناہ عقیدت، محبت اور عشق کا اظہار ہوتا ہو۔

ڈاکٹر کی مبارک نے اپنی انتہائی وقیع کتاب ”النشر الفنی فی القرن الرابع“ میں جن نثری فنی محاسن کا ذکر کیا ہے کاش وہ دسویں اور گیارھویں صدی جو کہ دور انحطاط شمار ہوتا ہے اس دور کے اساطین نثر کا شمار بڑے نثر نگاروں میں کرتے اور پھر ان کے نثر میں فنی محاسن کا ذکر کرتے تو ان میں حضرت شیخ احمد سرہندی کا ذکر ضرور کرتے۔ حضرت شیخ مجدد کے مکتوبات فارسی زبان کے تو شاہکار ہیں لیکن وہ مکتوبات جنہیں آپ نے عربی میں تحریر فرمایا وہ یقیناً عربی زبان کے نمائندہ نمونے بھی ہیں اور انہیں عربی ادب کے شہ پارے بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسلوب نگارش ایسا کہ دل کو چھو لے:

فصح عربی میں لکھے گئے یہ خطوط عجب سحر انگیزی کا تاثر دیتے ہیں بلکہ کئی ایک مقامات پر قرآنی انداز غالب نظر آتا ہے۔ بطور مثال مکتوب: 22 جو حضرت شیخ محمد مفتی لاہوری کے نام تحریر فرمایا اس کی ابتداء اس انداز سے ہوتی ہے:

”سبحان من جمع بین النور والظلمة وقرن
 الا مکانی المتبرئ عن الجهة مع المکانی الحاصل
 فی الجهة فحبب الظلمة إلى النور فعشق بها وامتزج
 معها بکمال المحبة لیزداد بهذا التعلق جلاءه،
 ویکمل بمجاورة الظلمة صفاءه کالمراة اذا ارید
 صقالتها.....رفع رأسه وتذكر ماضل عنه فرجع
 القهقري قائلا“ ۱

دوسری وجہ امتیاز یہ نظر آتی ہے کہ آپ اکثر اوقات اپنے کلام مبارک کو آیات قرآنیہ سے مدلل و مزین فرماتے ہیں مثلاً اس حصہ کلام کو بغور دیکھئے جس میں شیخ ناقص سے اخذ طریقہ سے منع کرنے، اور اس کے مضمرات اور کفریہ القابات رکھنے سے روکنے کا ذکر ہے اور پھر استدلال کے لئے سورۃ ابراہیم کی آیت کریمہ مثل کلمة خبیثۃ کشجرة خبیثۃ..... و فرعها فی السماء کو بغور دیکھئے یوں لگتا ہے کہ کلام مبارک کو جیسے نغوں سے جڑا ہے

اسی طرح کے امتیازات اور مزید مثالیں دفترِ اوّل مکتوب: ۱۵۸، ۲۸۹، اور دفترِ سوم مکتوب: ۱۹، ۵۳، اور ۱۱۸، میں موجود ہیں۔

☆ تیسری خوبی استدلال عقلی و نقلی ہے بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال عقلی کو اکٹھا کیا ہے اور اس کے لئے عقلی و نقلی دلائل کو یکجا کر دیا ہے جس سے اتمامِ حجت بھی ہوتا ہے اور اسلوب میں حسن بھی پیدا ہوتا ہے مثال کے طور پر دفترِ اوّل مکتوب: ۳۸ میں معروف حدیث مبارک ”کلمتان خفیفتان علی اللسان کے معانی کی وضاحت کرتے ہوئے خوبصورت اور حسین انداز میں استدلال عقلی اس انداز سے کرتے ہیں

.... ”وجه خفتھما علی اللسان ظاہر لقلة الحروف

وأما وجه ثقلھما فی المیزان وكونھما حبیبین إلی

الرحمان فالأّن الجزء الأوّل من الكلمة الأوّل یفید

تنزیهہ تعالیٰ وتقديسہ سبحانہ عما لا یلیق بجناب

قدسہ عزّوجل وإبعاد جناب کبریائہ عن صفات

النقص وسمات الحدوث والنزوال“

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”وحاصل الكلمة الثانية اثبات جميع التنزیہات

والتقديسات له تعالیٰ مع اثبات العظمة والكبریاء له

..... وأیضا التسبیح مفتاح التوبة بل زبدة التوبة

.... وسیلة إلی محو الذنوب وعفو السيئات فلا

جرم يكون ثقیلاً فی المیزان و مرجحاً لکفة الحسنات
و حبیباً إلی الرحمن لأنّه سبحانه یحبّ العفو ۱

خطابی اسلوب:

آپ کے اسلوب مبارک کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کے مکاتیب و نگارشات میں خطابی اسلوب پایا جاتا ہے ذہنوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کرتا ہے اور استعداد کار کو ہمیز لگاتا ہے پس اسی اسلوب خطابی میں بارہا استدلال بالفلسفہ یا استدلال بالمنطق کا انداز واضح اور کھلا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اسی طرح کے طریقہ استدلال کو الاستدلال بالفلسفہ یا الاستدلال بالمنطق کا نام دے سکتے ہیں۔ آپ اکثر تعلیم کی خاطر اپنے منسوبین کو خطاب کر کے فرماتے ہیں اور تلقین کا یہ انداز بے پناہ اثر انگیز معلوم ہوتا ہے مکتوب: ۲۳ میں فرماتے ہیں:

اعلم أيّها الأخ القابل لظهور الكمالات أظهر الله
سبحانه وتعالى فِعْلَكُمْ مِنَ الْقُوَّةِ أَنَّ الدُّنْيَا مَزْرَعَةٌ
الْآخِرَةُ فَوَيْلٌ لِّمَنِ لَمْ يَزْرَعْ فِيهَا وَعَطَلَ أَرْضَ
الاستعدادات وأضاع بذراً الأعمال بين الطرق
وبين الاستعدادات المختلفة سلكه طريق السلوك
ابتداءً فاضلاً عن الطريق لماضٍ ۲

اسی طرح مکتوب نمبر ۱۳۵، ۱۵۸، ۳۰۸، اور دفتر دوم سے مکتوب نمبر ۵۱ خطابی اسلوب و انداز کی عمدہ و بہترین مثالیں ہیں۔

حکیمی اسلوب:

اسی طرح ایسے اسلوب کی مثالیں بھی بہت عام ملتی ہیں جسے علم البدیع کی زبان میں الاسلوب الحکیمی کہا گیا ہے دیکھیے مکتوب: ۱۹ کی یہ عبارت:

الحمد لله ربّ العلمين في السراء و الضراء و في
العافية و البلاء فعل الحكيم جلّ سلطانه لا يخلو عن
حكمة و مصلحة لعل الله سبحانه يريد به الصلاح
﴿عسىٰ ان تکرهوا شيئا و هو خير لکم و عسىٰ ان
تحبوا شيئا و هو شر لکم و الله يعلم و انتم لا
تعلمون﴾ (سورة البقرة آیت ۲۱۶) فاصبروا علىٰ بلائه و
ارضوا بقضائه سبحانه و تعالیٰ و اثبتوا علىٰ طاعاته
تعالیٰ و اجتنبوا عن معاصيه سبحانه، انا لله و انا اليه
راجعون (سورة البقرة: ۱۵۶) قال الله تبارک و
تعالیٰ ﴿ما اصابکم من مصيبة فيما کسبت ايديکم و
يعفو عن كثير﴾ (الشورى: ۳۰) فتوبوا الى الله
سبحانه و استغفروا ربکم عما کسبت ايدينا و
اسئلوا العفو و العافية من الله سبحانه فانه تعالیٰ عفو

يحب العفو و اجتنبوا عن البلاء ما استطعتم فانّ
الفرار مما لا يطاق من سنن المرسلين عليهم
الصلوات و التسليمات و نحن في عين البلاء مع
العافية فلله سبحانه الحمد و المنة. ۱

الفاظ و تراکیب کا حسین امتزاج:

پانچویں صفت بطور خاص قابل ذکر ہے اس صفت کو ہم الفاظ و تراکیب کا حسین امتزاج بھی کہہ سکتے ہیں یعنی حضرت شیخ الفاظ کے استعمال میں انتہائی محتاط دکھائی دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تراکیب ایسی لاتے ہیں کہ خالص عرب اگر پڑھیں تو عیش عیش کرائیں اور ان تراکیب کے استعمال میں آورد کا پہلو کہیں بھی نظر نہیں آتا بس ہر طرف آمد ہی آمد ہے یوں لگتا ہے الفاظ آپ کے حضور ہاتھ باندھے حاضر رہتے ہیں اور آپ سلیقے کے ساتھ جب چاہیں اور جیسے پسند فرمائیں ان الفاظ کو چنتے اور انتہائی سلیقے کے ساتھ جڑتے جاتے ہیں۔ انھی الفاظ کے حسین جڑاؤ سے خوبصورت تراکیب تشکیل پاتی ہیں اور اگر الفاظ لا جواب اور تراکیب بے نظیر ہوں تو ان خوبصورت اور حسین و دلفریب الفاظ کا کیا کہنا بس نوڑ علی نور ہی سمجھیے جناب حضرت شیخ کے ہاں ایسے ہی خوبصورت اور حسین و دلفریب تراکیب باہم دگر ملی اور جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ایسے ہی خوبصورت الفاظ اور حسین و دلفریب تراکیب کو یکجا دیکھنے کے لیے دفتر اول

مکتوب: ۲۴ کی یہ عبارت قابل ملاحظہ ہے:

”و القلب لا يتعلق محبته بأكثر من واحد فما لم يزل
تعلقه الحبي بذلك الواحد لم يتعلق بما سواه
محبته وما يرى من كثرة مراداته و تعدد تعلق
محبته بالأشياء المتكثرة كالجمال و الولد و الرياسة
و المدح و الرفعة عند الناس فثمة أيضا محبوبه لا
يكون إلا واحدا و هو نفسه...“

اسی طرح کے خوبصورت و حسین و جمیل کلمات و تراکیب کا استعمال کرتے ہوئے اسی
مکتوب میں کچھ اس طرح سے بھی رقمطراز ہیں:

”هذه رتبة المقربين فإنّ الأبرار إنما يعبدون الله خوفا
و طمعا و هما راجعان إلى انفسهم لعدم فوزهم
بسعادة المحبة الذاتية فلا جرم يكون حسنات
الأبرار سيئات المقربين فحسنات الأبرار حسنات
من وجه و سيئات من وجه و حسنات المقربين
حسنات محضة“ ا

ایجاز و اطناب:

شیخ رحمہ اللہ کے مکتوبات ایجاز و اطناب کا حسین و دلفریب مرقع ہیں آپ مقتضی الحال کو ملحوظ رکھتے ہیں آپ کے طویل ترین مکاتیب میں مکتوب: ۲۸۹ جو مولانا بدر الدین کی طرف اسرار قضا و قدر کے بارے میں اور مکتوب: ۵۳، ۷۴ جو مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف ہیں، اسی طرح مختصر ترین خطوط میں سے مکتوب: ۲۰۵، جو خواجہ محمد اشرف کابل کی طرف، اور مکتوب: ۵۱ جو شیخ محمد صدیق کی طرف ہے ایجاز و اطناب کی خوبصورت و حسین مثالیں ہیں۔

عمدہ و ماہرانہ تصویر کشی:

جس طرح ایک ماہر اور چابکدست فنان اپنے ہاتھ کی صفائی سے ماہرانہ تصویر کشی کے عمل کو زیادہ مضبوط و خوبصورت بناتا ہے خوبصورتی اور مہارت سے تیار کردہ تصویریں صرف لکیروں کا مجموعہ نہیں بلکہ زندہ جاوید اور متحرک نظر آتی ہیں ان تصویروں میں حرکت زندگی کی علامت تو ہوتی ہی ہے لیکن حسین و دلفریب رنگ ان کی زندگی میں مزید چار چاند لگا دیتے ہیں مکتوب: ۲۶ کی درج ذیل عبارت انتہائی اہم اور موزوں ہے کیونکہ اسمیں صور و خیال انگیزی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور تصویریں متحرک نظر آتی ہیں اور تصویروں میں زندگی تو موجزن محسوس ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی ان میں رنگوں کی برسات بھی ہے۔ ایسی تصویر جو اتنی متحرک ہو کر چلتی پھرتی محسوس ہو اور پھر ان میں مختلف رنگوں کی آمیزش اسے مزید جاندار بنا دے ملاحظہ کیجیے۔ مکتوب: ۲۶ کی عبارت:

”ثبتنا الله سبحانه وایاکم علی جادة الشریعة“

المصطفوية على صاحبها الصلوة والسلام والتحية
ورد في الحديث القدسي ” الاطال شوق الأبرار إلى
لقائي وانا إليهم لأشد شوقاً أثبت الله سبحانه الشوق
للابرار لأنّ المقربين الواصلين لا شوق لهم لأن الشوق
يقتضى الفقد والفقد في حقهم مفقود“ ۱

حرکت زندگی کو مختلف رنگوں کی آمیزش سے مزید جاندار بناتے ہوئے اسی مکتوب میں
رقمطراز ہیں:

” و لرفع الشوق مقام آخر أكمل من الأوّل وأتمّ منه
وهو مقام الياس والعجز عن الإدراك فان الشوق
يتصور في المتوقع فحيث لا توقع لا شوق واذا رجع
هذا الكامل البالغ نهاية الكمال إلى العالم رجوع
القهقري لا يعود إليه الشوق أيضاً مع وجود الفقد
بالرجوع لأن زوال شوقه ما كان لوجود الفقد بل
لحصول الياس وهو موجود بعد الرجوع أيضاً
بخلاف الكامل الأوّل فإنه يعود إليه الشوق برجوعه
إلى العالم لحصول الفقد الذي زال من قبل فحين وجد
الفقد بالرجوع حصل الشوق الذي زال بزواله “ ۲

الغرض جناب شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات، فارسی ہوں یا عربی، فن کے کمال کو پہنچے دکھائی دیتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ نہایت مشاق لکھاری اپنی مہارت و کاریگری سے الفاظ کے موتی بکھیرتا اور پروتا چلا جاتا ہے۔ بکھیرتا تب ہے جب ان بکھرے موتیوں کی ضرورت ہو اور پروتا تب ہے جب ان بکھرے موتیوں کو حسن و خوبی سے ہار کی طرح پروانے کی ضرورت ہو۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین .

رسالہ تہلیلیہ کا اسلوب نگارش

ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی الازہری
دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، فیصل آباد

کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شرح و توضیح پر مشتمل رسالہ تہلیلیہ امام ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے عربی رسائل میں ایک ہے اور کلمہ طیبہ یا فقط اسم جلال کا ورد اہل طریقت کا محبوب و مرغوب معمول ہے۔ حضرت مصنف ایسے صاحبِ قال و حال تھے کہ نہ صرف آپ کی زندگی کا ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر میں گزرا بلکہ آپ کی براہ راست تربیت اور آپ کے خلفاء اور نقشبندی مشائخ کے زیر اثر لاکھوں افراد کا اللہ رب العزت کے ساتھ زندگی کا تعلق مضبوط ہوا، مجھے الازہر یونیورسٹی قاہرہ میں زیرِ تعلیم جمہوریہ داغستان کے بعض طلبہ نے بتایا کہ افغانستان میں روسیوں کی شرمناک شکست سے قبل دیگر ریاستوں کی طرح داغستان میں بھی مسلمانوں کو اسلامی شعائر کی ادائیگی میں سخت مشکلات کا سامنا تھا، کوئی مسلمان بھی عبادت سرانجام دیتا ہوا روسی انٹیلی جنس کے کسی ایجنٹ کی نظر میں آ گیا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا تھا لیکن نقشبندی مشائخ نے اپنی جانیں داؤ پر لگا کر انہیں ذکر کی جس چاشنی سے آشنا کیا تھا وہ ان کے سکون اور اطمینان اور دین سے وابستگی کا ایک محفوظ ذریعہ تھی یہ ایک ایسی عبادت تھی جو کسی طرح بھی اسلام دشمن کیمونسٹوں کی

نظر میں آسکتی تھی اور یوں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جبر و استبداد کے بدترین دور میں بھی اسلام سے اپنی وابستگی کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتی۔

جہاں قال کے ساتھ حال کی اثر آفرینی بھی موجود ہو وہاں کہی یا لکھی گئی بات دلوں میں مثبت ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور آپ کے مکتوبات صدیوں کا سفر طے کرنے کے باوجود آج بھی دلوں کی دنیا میں قبولیت اور تاثیر رکھتے ہیں، رسالہ تہلیلیہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد، ثناء اور سرور عالم ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام کے ساتھ کیا گیا ہے جبکہ اس کا اختتام درج ذیل قرآنی آیت سے کیا گیا ہے:

ربنا اتنا من لدنک رحمة وھبیٰ لنا من امرنا رشدا

اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے

کام میں راہ یابی کے سامان کر۔ ۱

اس مختصر مگر جامع اور انتہائی عالمانہ مباحث پر مشتمل رسالے کا اس آیت کریمہ کے ساتھ اختتام اس عجز و انکسار اور تواضع پر دلالت کرتا ہے جو فقط اہل علم و تقویٰ کا خاصہ ہے۔

اس رسالہ مبارکہ میں کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کے حوالے سے تخصیص کے دوران کتب حدیث کی روشنی میں کلمہ شریف کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، لفظ الہ اور اسم جلال کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کی گئی۔ پھر علم

الکلام کی روشنی اور خالص علمی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، عوام اور خواص کی توحید و جود باری تعالیٰ اور اس کے موجود ہونے پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، نیز نبی کریم ﷺ کی شان نبوت و رسالت کا بار بار مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ علامہ اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ”ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان“ صرف عقیدت و محبت کی بنا پر نہیں کہا تھا بلکہ آپ کے علمی اور روحانی مرتبہ و مقام کا ادراک کرنے اور تجدید و اصلاح کے میدان میں آپ کے مساعی جلیلہ کے پیش نظر کیا تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جس اسلوب سے رسالے کا آغاز فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے رسالہ کسی معترض کے اعتراضات کا رد کرنے کے لئے تصنیف فرمایا ہے، یوں لگتا ہے کہ آپ نے ”اگر آپ یہ کہتے ہیں“ کے ساتھ اعتراض ذکر فرمایا اور ”ہم کہتے ہیں“ کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے، آپ نے یہ اسلوب ایک مرتبہ تو بالکل شروع میں اپنایا جبکہ یہی اسلوب دوسری اور تیسری مرتبہ اسم جلال کی تحقیق کے دوران اختیار فرمایا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تمام تر توجہ اصلاح پر مرکوز تھی، معترض کی ذات کو نشانہ بنانا یا اعتراض کی دھجیاں بکھیرنا آپ کا مقصد ہی نہ تھا، آپ کے اس انداز مخاطب میں حکمت بھی ہے اور موعظہ حسنہ بھی اور قرآن حکیم پر اس طرح عمل کرنا منصب تجدید و اصلاح پر فائز شخصیت کی شان ہے، آپ نے خرابی کی تشخیص کی اور پھر اس کے لئے مناسب ترین علاج تجویز فرمایا، اصلاح کے حوالے سے آپ نے یہی اسلوب ایک عام آدمی سے لیکر حاکم وقت کے ساتھ اپنایا جس کی برکتوں کا ایک زمانہ گواہ ہے۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ مبارکہ عربی میں تحریر فرمایا،

اس کے علاوہ بھی آپ کے چند دیگر عربی رسائل اور عربی میں تحریر شدہ مکتوبات شریف بھی دستیاب ہیں، رسالہ تہلیلہ کے علاوہ آپ کے دیگر عربی رسائل کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ اثبات النبوة ۲۔ مبدأ و معاد

۳۔ رسالہ معارف لدنیہ ۴۔ مکاشفات عینیہ

۵۔ شرح لبعض رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ،

۶۔ ردّ و انقض

ان عربی رسائل اور عربی مکتوبات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے کس فیاضی سے آپ کو اسلامی اور عربی علوم کا فہم عطا فرمایا تھا، آپ کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون بھی عربی تھا لیکن عربی زبان کے ساتھ آپ کی وابستگی عصر حاضر کے عربوں کی طرح خونی رشتے سے نہ تھی بلکہ خالصتاً دینی بنیادوں پر تھی اور آپ نے عربی زبان کے ساتھ محبت کا یہ تعلق اُس دور میں نبھایا جب اس شیریں زبان کو حکومتی ایماء پر ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، عربی زبان پر آپ کو جو عبور حاصل تھا وہ آپ کی اس زبان سے والہانہ محبت اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کا نتیجہ تھا، رسالہ تہلیلہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان برصغیر کے ادباء کے برعکس سجع اور قافیہ کے گورکھ دھندے سے پاک ہے، آپ کی تحریر میں نہ مشکل پسندی ہے اور نہ ہی پر تکلف محسنات بدیعہ ہیں، بلکہ آپ اپنی بات کو سہل اور دلنشین انداز میں قلوب و اذہان تک پہنچا دیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے غیر عربی ماحول میں قیام کے باوجود عربی زبان

میں رسالہ تحریر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی میں ایسی مہارت عطا فرمائی تھی جو برصغیر میں کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ اکثر علماء عربی عبارات سمجھ تو لیتے ہیں اور عربی میں لکھی گئی کتب نہایت عمدگی سے پڑھا بھی لیتے ہیں لیکن عربی میں مافی الضمیر کا اظہار کرنا ہر عربی جاننے والے کے بس میں نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا۔

اس مختصر رسالے میں حوالہ جات کی کثرت سے حضرت مجدد الف ثانی کے مطالعہ کی وسعت اور آپ کے علمی جلالت کا اندازہ ہوتا ہے، ایک ہی رسالہ میں کسی وقت آپ لغت کے ماہر دکھائی دیتے ہیں تو کسی وقت علمِ کلام کے بحر بے کراں معلوم ہوتے ہیں اور کسی وقت علمِ تفسیر و حدیث میں آپ کی مہارت دکھائی دیتی ہے۔

اس مختصر رسالہ کے مطالعہ سے یہ بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی تخریج و توضیح کرتے ہوئے ثانوی مصادر کی بہ نسبت بنیادی مصادر پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے، ایک طائرانہ نظر سے جن مصادر کے نام سامنے آئے ہیں وہ کچھ یوں ہیں: تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل، شرح السنۃ اور شرح المواقف، اگر اس رسالہ کی تخریج کی جائے تو یقیناً مزید معتبر اور مستند مصادر کے نام سامنے آئیں گے۔

ضرورت ہے کہ حضرت کے عربی رسائل اور مکتوبات کو تخریج کے ساتھ بیروت کے معیار پر شائع کیا جائے اور فارسی مکتوبات کا عربی ترجمہ اگرچہ شائع ہو چکا ہے لیکن برصغیر کے کسی ایسے عالم سے نیا ترجمہ کروایا جائے جو عربی اور فارسی پر دسترس رکھتا ہو، نیز سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مزاج سے آشنائی بھی رکھتا ہو، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور آپ

کے دور کی تاریخ سے بھی مطلع ہو تاکہ عرب علماء اور مشائخ اور ممدوح امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات تک زیادہ بہتر طریقے سے آسانی حاصل کر سکیں، کیونکہ عرب ممالک میں سلسلہ قادریہ، رفاعیہ، شاذلیہ، سنوسیہ اور تیجانیہ کی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بھی مشہور و معروف ہے اور عرب علماء و مشائخ آپ کے بارے میں زیادہ جانا چاہتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

مکتوباتِ امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری و عملی پہلو

پروفیسر محمد عظیم فاروقی

شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳۴ھ میں وہ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ آپ کے تجدیدی کارناموں اور مساعی جیلہ کے نتائج و اثرات سینکڑوں سالوں پر محیط ہیں۔ جن کے لئے حکیم الامت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ کاوشوں میں کلیدی و بنیادی کردار آپ کے مکتوبات ہیں، جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے دین و ملت کے امین ثابت ہوئے اور فکر و عمل میں عظیم انقلاب کا پیش خیمہ بنے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جو صدیوں بعد پیدا ہوا کرتی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے عالم مشرق کو بیدار کرنے اور انسانیت کو ایک مرکز پر لانے کے لئے اکبر جیسے مطلق العنان حکمران کے سامنے نعرہ تو حید بلند کیا۔ اس دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف ہستیوں کی طرف خطوط تحریر فرمائے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خطوط نسخہ کیما ہیں۔ یہ خطوط حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی مقام اور انقلابی پیغام کے مکمل طور پر آئینہ دار ہیں، جن کی عظمت و فضیلت کا اندازہ علامہ سید عبدالحکیم بن المصطفیٰ الآرداسی (ترکی) کے قول سے

بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ کے بعد اسلامی کتب میں سب سے افضل کتاب مکتوباتِ امام ربّانی ہے جس کی صفحہ ہستی پر کوئی مثل نہیں“۔^۱

ان خطوط کو ”مکتوباتِ امام ربّانی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ”مکتوباتِ امام ربّانی“ فارسی زبان میں تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ موجودہ دور میں اس قسم کے متعدد اردو تراجم دستیاب ہیں۔ بعض ناشرین نے یہ مکتوبات تین جلدوں میں اور بعض نے دو جلدوں میں شائع کئے ہیں۔ ہر جلد کو ایک دفتر قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہر ایک کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ دفتر اول: اس میں تین سو تیرہ (313) مکتوبات شامل ہیں اور یہ ”دُرّ المعرفت“ کے نام سے موسوم ہے جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید خاص حضرت خواجہ یار محمد بدخشی نے مرتب کیا۔^۲

۲۔ دفتر دوم: اس میں ننانوے (99) مکتوبات شامل ہیں۔ اس کا تاریخی نام ”نور الخلائق“ ہے۔ اس دفتر کے مؤلف و مرتب حضرت خواجہ عبدالحقؒ ہیں۔^۳

۳۔ دفتر سوم: اس دفتر میں ایک سو چوبیس (124) مکتوبات ہیں۔ یہ دفتر ”معرفت الخقائق“ سے موسوم ہے۔ اس دفتر کے مرتب آپؒ کے مریدان خاص میر محمد نعمانؒ اور خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔^۴

۲۔ احمد علی سرہندی، شیخ: مکتوباتِ امام ربّانی (سہ مجلدات)

۴۔ ایضاً

۱۔ جعفر علی فریدی، مکتوباتِ عالیہ کراچی، ۱۹۸۵ء

۳۔ ایضاً

مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ء

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں غیر اسلامی عقائد و نظریات و اعمال کو داخل ہونے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں صوفیاء کے دلوں میں ”وحدت الوجود“ کا نظریہ سرایت کر چکا تھا۔ آپ نے اس نظریہ کو براہین و دلائل سے توحید کا ابتدائی تصور ثابت کیا اور اگلا اور حقیقی تصور توحید ”نظریہ وحدت الشہود“ پیش کیا۔ آپ کے دور کے لوگ اعتدال سے گزر کر افراط کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کا رخ شریعت کی طرف موڑ دیا اور آنے والے ادوار میں امت مسلمہ کے فکر و عمل کا قبلہ درست رکھنے کے لئے آپ کی شخصیت اور مکتوبات سنگ میل ثابت ہوئے۔

نیکی اور بدی کے درمیان کشمکش ایک عالمگیر حقیقت ہے اور تاریخ انسانی میں کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا جس میں حق اور باطل باہم دست و گریباں نظر نہ آتے ہوں۔ مقولہ مشہور ہے کہ ”ہر فرعون کیلئے موسیٰ“ بھی ہوتا ہے۔ ایسے ہی برصغیر پاک و ہند میں ایک ایسا نازک دور بھی آیا جس میں مغلیہ خاندان کے عظیم فرمانروا جلال الدین محمد اکبر نے اپنے اقتدار کو استحکام و دوام بخشنے کے لئے غیر اسلامی قوانین کے ساتھ آئین اکبری اختراع کر لیا، جس کے خاتمہ کے لئے شیخ احمد سرہندی المعروف امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میدانِ عمل میں نکلے اور اپنی ہمہ جہت کاوشوں کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کا قبلہ درست کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کے جملہ سیاسی، مذہبی، روحانی، فکری اور عملی رجحانات کی تصویر کشی کی جائے اور مکتوباتِ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی روشنی و رہنمائی میں ان کا کافی اور شافی منطقی حل تلاش کیا جائے تاکہ امت مسلمہ ایک وحدت میں پروئی

جاسکے اور دینِ اسلام کے پیروکاروں کو حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں فکر و عمل کی بہتر راہیں میسر آسکیں۔

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات نہ صرف قرآن و سنت کی تعلیمات کا خلاصہ و نچوڑ ہیں بلکہ آپ کے دور کی ایک مستند ترین تاریخی دستاویز بھی ہیں، جن سے کما حقہ استفادہ کرنے کے لئے اب تک متعدد کاشین ہو چکی ہیں۔ متعدد فضلاء اور علماء اس پر کام کر رہے ہیں۔ تقریباً چار سو سال گزر جانے کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و افکار زندہ و پابندہ ہیں۔ مکتوبات نہی ایک مشکل ترین فن ہے۔ پھر مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں بعض ایسے دقیق مسائل ہیں جن کی تہ تک پہنچنے کے لئے آپ کے عہد کی تاریخ، اس دور کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی و فکری مسائل، ہندومت کے احیاء کی تحریک، آپ کے معاصرین اور معاصر کتب جیسے زبدۃ المقامات اور حضرات القدس وغیرہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے صاحبزادگان کے مکتوبات کے مجموعہ جات اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشکل مکتوبات کی شروح و حواشی کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے۔

مکتوبات نہی کے حوالے سے ذیل میں چند ایک شخصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ مفتی محمد باقر نے مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو موضوعی

ترتیب سے یکجا کیا، جن کے عربی میں بھی ترجمے چھپ چکے ہیں۔ ۱

۲۔ شیخ محمد مراد شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۲ھ) نے عربی زبان میں مکتوبات

- مجدد کا ترجمہ کیا تھا، جس سے بعد میں ترکی زبان میں ترجمے ہوئے تھے۔
- ۳۔ حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے شیخ عبدالاحد وحدت رحمہما اللہ تعالیٰ (معروف شاہ گل متوفی 1126ھ) نے بھی مکتوبات کی شرح لکھی تھی۔
- ۴۔ معروف ترک خطاط اور عالم مستقیم زادہ سعد الدین سلیمان نقشبندی (1162ھ تا 1165ھ) نے مکتوباتِ معصومیہ کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اور افکارِ مجددِ ترکی میں پھیلا نے کا ذریعہ ثابت ہوئے۔
- ۵۔ اردو زبان میں قاضی محمد عالم دین اور مولانا محمد سعید نقشبندی (لاہور) کے تراجم قابلِ ذکر ہیں۔ اور مولانا محمد سعید احمد مجددی (گوجرانوالہ) نے الہیات شرح مکتوبات کے نام سے مکتوباتِ امام ربانی کے دفترِ اوّل کے تقریباً پچاس مکتوبات کا ترجمہ و شرح تحریر کی ہے۔
- مکتوباتِ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وصاحبِ مکتوباتِ پرگزشتہ پچپن سال میں دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں بارہ فضلاء پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ اور متعدد فضلاء، تحقیق و تفہیم میں مصروف ہیں جن میں مفتی محمد باقر لاہوری اور شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی کی شروحات و تخریجات قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد ضیاء المقدمات لمطالعة المکتوبات (۱۳۴۰ھ) مؤلف از مولانا ضیاء الدین وزیر اچکزی، شرح مکتوبات امام ربانی (فارسی نثر) از مولوی نصر اللہ هوتکی، مکتوبات امام ربانی کی دینی و معاشرتی اہمیت از ڈاکٹر سراج احمد خان بن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ، الہیات

شرح مکتوبات از مولانا محمد سعید احمد مجددی، تبریز المکتوبات فی تخریج احادیث المکتوبات از حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (۱۲۳۲-۱۲۹۶ھ) بن حضرت شاہ ابوسعید مجددی تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی از مولانا محمد سعید (مطبع فتح الکریم حیدرآباد دکن) ۱۳۱۱ھ، پروفیسر ڈاکٹر بیولر کی نقشبندی سلسلہ پر امریکہ میں پی ایچ۔ ڈی، مکتوبات مجدد الف ثانی، تخریج احادیث از بابر بیگ مطالی کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور 1995) شعبہ علوم اسلامیہ، مکتوبات مجدد الف ثانی کے تفسیر و فقہ پر اثرات از ڈاکٹر ہمایوں شمس کا (پی ایچ۔ ڈی) کا مقالہ (بہاولدین زکریا یونیورسٹی) وغیرہ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ کے جواں سال نو مسلم محقق سالم عبداللہ کے فہارس تحلیلی ہشتگانہ مکتوبات احمد سرہندی مرتبہ (Arthur F. Bucher) بھی محققین کے لئے مفید و مؤید ثابت ہو رہی ہے۔

مکتوبات مجددی علمی و فکری جلالت اس قدر ہمہ گیر، ہمہ جہت اور زماں و مکاں کی حدود پر محیط ہے کہ اس پر صدیوں لکھنے لکھانے اور سننے سنانے کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ اور امت مسلمہ اس منبع رُشد و ہدایت سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ مقالہ نگار کے نزدیک مکتوبات فہمی کے حوالے سے ابھی بے شمار پہلوؤں تک تحقیق ہیں، مثلاً:

عقائد اسلام مکتوبات کے آئینہ میں، اسلام کا دفاع اور مکتوبات، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت اور مکتوبات مجدد، عصر حاضر کے مسائل اور مجدد الف ثانی، مکتوبات کا دیگر لٹریچر کے ساتھ تقابلی مطالعہ، مکتوبات مجدد کی ماضی، حال اور مستقبل کے حوالے سے جامع شروع کا تجزیاتی مطالعہ، غیر مسلم اور مکتوبات، موضوعات کے اعتبار

سے مکتوبات کی شرح اور مکتوباتِ مجدد عصر حاضر کے تناظر میں۔

موجودہ صدی میں پاک و ہند کے مسلمان بالخصوص اور پوری دنیا کے مسلمان و غیر مسلم بالعموم جن مسائل سے دچار ہیں جن کی نشاندہی زیرِ قلم مقالہ میں بالتفصیل کی جائے گی۔ اگر مکتوباتِ مجدد کی روشنی میں اُن کا فکری و عملی حل تلاش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن ہمہ گیر مسائل کو حل نہ کیا جاسکے اور مسلمان اقوام عالم کے لئے فکر و عمل کا منارہ ہدایت ثابت نہ ہو سکے۔

اس موجودہ خلفشار، بد امنی اور بے چینی کے روح فرسا ماحول میں مکتوباتِ مجدد کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جن حالات میں یہ مکتوبات شریف لکھے گئے وہ موجودہ حالات سے کہیں زیادہ خوفناک، تباہ کن اور ایمان سوز تھے۔ امید واثق ہے کہ پیشِ نظر مقالہ کے ذریعے مکتوباتِ مجدد پر تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ تعمیری و عملی رہنمائی تلاش کرنے والوں کو خاطر خواہ فوائد و ثمرات حاصل ہوں گے۔

روسیاد

امام ربّانی مجدد الف ثانی کانفرنس منعقدہ ۲۲ فروری ۲۰۰۹ء

بروز اتوار بوقت ۲ بجے بعد دوپہر

بمقام کانفرنس ہال ہمدرد مرکز لٹن روڈ لاہور

محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی

سیکرٹری جنرل مجدد الف ثانی سوسائٹی لاہور

بر عظیم پاک و ہند کی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عالم دین صوفی صافی ہیں جنہوں نے ہندو شناسی میں نام پیدا کیا اور دنیا کو خصوصاً اہل اسلام کو خبردار کیا کہ ہندو برہمن دنیا کا وہ تنگ نظر نسل پرست ہے جو نہ صرف یہ کہ اپنی برتری کا قائل ہے بلکہ اپنے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے مذاہب کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے اور ان سے شدید نفرت کا بھی قائل ہے، دوسرے لفظوں میں وہ پرامن بقائے باہمی کو نہیں مانتا اور اپنے علاوہ تمام انسانوں کو بلیچھ اور ناپاک سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ مل جل کر رہنے کو پاپ اور گناہ سمجھتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار بین الاقوامی سکالر جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب نے ”امام ربّانی مجدد الف ثانی کانفرنس“ ۲۲-۲۳ مارچ ۲۰۰۹ء بمقام ہمدرد مرکز لٹن روڈ لاہور میں کیا۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خصائص بیان کرتے ہوئے کہا

کہ حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ایک دورانِ دلشِ مدبر اور طبیب کی طرح حالات کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور معلوم کیا کہ اصل مرض کیا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں اور جڑیں کہاں کہاں ہیں، اس غرض کے لیے اکبر کے درباریوں اور خوشامدیوں کو قریب سے دیکھا اور ان کی صحبت "ناہم جنس" بھی گوارا کی کیونکہ جب تک مرض کی اچھی طرح تشخیص نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دانا و پینا طبیب دوا اور علاج تجویز نہ کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو اندازہ ہو گیا کہ: اس خبیث مرض کا اصل سبب انکارِ نبوت ہے جو توہینِ رسالت اور گستاخی رسول (ﷺ) کا ہولناک رنگ لیے ہوئے ہے!! اور یہ کہ اس مرض کو ہوا دینے والے بگڑے ہوئے اور تاریک گمراہی میں مبتلا مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر ہندو برہمن نے بھی رنگ پکڑا ہے اور وہ اسلام، اہل اسلام اور مقدساتِ اسلام کی توہین، تذلیل اور تخریب پر پوری قوت اور حوصلہ کے ساتھ کمر بستہ ہو گیا، حق پرست اور حق گو مسلمانوں کو کسی رنگ میں برداشت نہیں کرتا، ان کی اہانت و تذلیل کو معمول بنا لیا ہے، علماء کو قتل کروانا، قید و بند میں ڈالنا، جلا وطن کرنا، مساجد و مقابر تباہ کر کے "مہابلی" کے سرکاری خرچ پرواں مندر تعمیر کرنا ایک معمول بن گیا ہے۔ خبیث مرض کے اسی پہلو کے لیے حضرت مجدد نے رسالہ اثباتِ نبوت تحریر فرمایا اور نظامِ سلطنت سے وابستہ راسخ العقیدہ مسلمان افسروں کو مکتوب لکھنا اور انہیں آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا اور تعمیری و اصلاحی تجاویز دینا شروع کر دیا۔

عظیم مفکر و صدر شعبۂ تحقیق فیصل آباد، جناب ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب نے مکتوباتِ حضرت امام ربّانی کی فضیلت اور تعلیماتِ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی عصر حاضر میں ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مکتوبات کا حرفِ شہاد

ہے کہ ایک ماہر معالج مریض کی نبض پر ماہرانہ ہاتھ رکھ رہا ہے اور اس کے دل کی حرکتوں کا بھی جائزہ لے رہا ہے، وہ ساری شریانوں پر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہے اور مرض کے مقامات سے بھی آگاہ ہے، اس ہمہ خبری کی بنیاد پر ایسے نسخے تجویز کر رہا ہے کہ نہ علماء سو روک سکے اور نہ صوفیاء بلا عقیدہ ہی راہ کاٹ سکے۔ نہ صرف طاری بیماریوں کا علاج کیا بلکہ کامیاب نسخے میراث میں بھی چھوڑے۔

مجدد الف ثانی سوسائٹی لاہور کے موجودہ صدر اور انجمن غلامانِ مصطفیٰ جامع مسجد قادریہ شیر ربّانی ۲۱- ایکٹر سکیم نیامزنگ سمن آباد لاہور کے سرپرست جناب قاضی جمیل اطہر سرہندی نے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا مجدد الف ثانی سوسائٹی (لاہور) ایک ربع صدی ہو رہی ہے اس کہانی کو، اس داستان کو جب ہم نے اسی شہر لاہور میں حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے موقع پر تقریبات منعقد کرنے کا اہتمام کیا اور اس کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ ہمارے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ ہم اس قوم کو بتائیں کہ یہ خطہ جو پاکستان کے نام پر ہمیں حاصل ہوا ہے۔ یہ ہمیں کسی طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا نہ ہندو نے ہمیں عطیے یا تحفے کے طور پر دے دیا تھا۔ اس کی بنیاد، اس کی فکری نشو و نما حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، جنہوں نے اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندو رفتہ رفتہ، قدم بہ قدم حرم میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ اس طرح مسلمان بادشاہوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور انہیں اس طرف لے جا رہے ہیں جہاں وہ اسلام کا دامن چھوڑ کے ہندو کی تعلیمات اس کے افکار، اس کے نظریات کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام اپنے قلم سے لیا۔ انہوں نے اس وقت کے حکمرانوں کے نام خطوط لکھے اور ان کو اس

خطرے سے آگاہ کیا۔ حضرت کا تمام علمی سرمایہ فارسی زبان میں محفوظ ہے جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی۔ مجدد الف ثانی سوسائٹی اور شیر ربّانی اسلامک سنٹر نے یہ کام کیا کہ اُس سرمائے کو اُردو میں نقل کیا اور پھر اہل فکر و دانش کو دعوت دی کہ وہ ایسی مجالس میں تشریف لائیں اور حضرت کی زندگی کے مختلف پہلو اُجاگر کریں اور اس قوم کے فرزندانوں کو بتائیں کہ یہ پاکستان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ پاکستان آج بھی اسی طرح خطرات میں گھرا ہوا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے زمانے میں مسلمانوں اور اسلام کو ہندو کی ریشہ دوانیوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا آج پھر وقت ہے کہ ہم اس ملک کے ایک ایک فرد کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔

شیر ربّانی اسلامک سنٹر سمن آباد لاہور کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر قاری مشتاق احمد صاحب نے اپنے مقالہ بعنوان ”حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف دعوت نہ دی۔ اتباع سنت اور اکابر سنت کی طرف متوجہ کیا“ پیش کرتے ہوئے متعدد قرآنی آیات، احادیث اور مکتوبات امام ربّانی کا حوالہ پیش کیا اور آخر میں حاصل گفتگو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات نہ صرف عملاً اپنانے کی ضرورت ہے بلکہ اسکی ترویج و تشہیر کی بھی بہت ضروری ہے کہ عصر حاضر میں گمراہوں اور فرقہ ہائے ضلالت کی سازشیں اور عیاریاں پورے عروج پر ہیں اور جو عام مسلمانوں کیلئے۔ ہلاکت و بربادی آخرت کا پیغام ہیں۔ حضرت مجدد کا پیغام حقیقت نفس الامری کا اظہار اور حضرات و علماء اہل سنت کیلئے ایک دستاویز ہدایت اور مشعل نور ہے اور یقین و

اعتماد کی لازوال دولت و نعمت ہے

تحقیق کی دنیا میں نامور شخصیت جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب نے اپنا مقالہ بعنوان ”عالمی سطح پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا اثر رسوخ“ پیش کرتے ہوئے کہا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تاسیس وسطی ایشیاء میں اور اسکی نشوونما بھی انہی علاقوں میں ہوئی، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں تقویت کا آغاز ہوا، آپ کے کئی خلفاء سارے وسطی ایشیاء اور ایران میں پھیل گئے اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں تیزی ہونے لگی۔ آپ نے ایک تاریخی حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ دور آخر میں حضرت مولانا خواجگی المکنگی (ف ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء) ایک بہت ہی بزرگ شخصیت کے مالک نقشبندی صوفی تھے جن کے فیض تربیت سے وابستگان کی ایک تعداد نے روحانی استفادہ کیا ان میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا نام سرفہرست ہے آپ ان سے خلافت یاب ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور یہاں لا تعداد اصحاب فکر و دانش نے ان کے روحانی فیض سے بہرہ مند ہو کر اپنے علاقوں میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔

ان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نمایاں ہے جن سے روحانی فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، عربستان، وسطی ایشیاء، ایران، ترکی، افغانستان، عراق وغیرہ سے اصحاب آپ کی روحانیت کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ کے مکتوب الیہم کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو پورا عالم اسلام روحانی اعتبار سے آپ کے زیر اثر معلوم ہوتا ہے۔

چیئر مین شعبہ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، لاہور جناب ڈاکٹر محمد ہمایوں

عباس شمس نے اپنا مقالہ بعنوان ”تکفیر مسلم میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی کمال احتیاط“ پیش کرتے ہوئے کہا کہ کفر کے لفظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر نفرت تھی کہ ایک شاعر نے اپنا تخلص رکھ لیا، آپ کو یہ بھی ناگوار گزرا۔ عبدالرحیم خانخاناں کو لکھا ”نہایت تعجب کی بات ہے کہ ایک سچے قاصد نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کے ہمنشین فاضل شاعروں میں سے ایک شخص شاعروں میں اپنے لیے کفری تخلص استعمال کرتا ہے حالانکہ وہ بزرگ سادات عظام اور شریف خاندان میں سے ہے۔ پس اے کاش میں جانتا کہ اس برے نام پر جس کی برائی اچھی طرح ظاہر ہے اس کو کس چیز نے مجبور کیا ہے حالانکہ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اس نام سے اس سے بھی زیادہ بھاگے جتنا کہ ہلاک کرنے والے شیر سے بھاگتا ہے اور اس نام کو نہایت ہی برا سمجھے کیونکہ یہ نام اور جس شخص کا یہ نام ہو دونوں حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ و دشمن سمجھے گئے ہیں اور مسلمانوں کو کافروں سے دشمنی رکھنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس ایسے برے ناموں سے بچنا واجب ہے“ (دفتر اول، مکتوب: ۲۳) آپ نے اس تخلص کو بدلنے کی نصیحت فرمائی اور ایسا تخلص اختیار کرنے کا کہا جو مسلمان کے شایان شان ہو۔ یہ مکتوب بھی حقیقت حال کو واضح کر رہا ہے کہ آپ اس نام سے انتساب کو کس قدر ناپسندیدہ سمجھتے تھے اس کے باوجود اس شخص پر فتویٰ کفر دینے کی بجائے تخلص بدلنے کی نصیحت کی تو پھر کیونکر کسی پر کفر کے فتویٰ کا اطلاق کرتے۔

آپ کی اس مسئلہ میں یہی اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی اور یہی متقدمین کا اصول و طریقہ تھا۔ ہمارے لیے آپ کے اس طرز فکر میں یہ پیغام موجود ہے کہ کلمہ گو فردی مسائل کی بنیاد پر فتاویٰ کفر کی مشینوں کو کھول دینا ایک عالم کو زیب نہیں دیتا۔

پروفیسر محمد عظیم فاروقی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف ہستیوں کی طرف خطوط تحریر فرمائے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خطوط نسخہ کیما ہیں۔ یہ خطوط حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی مقام اور انقلابی پیغام کے مکمل طور پر آئینہ دار ہیں، جن کی عظمت و فضیلت کا اندازہ علامہ سید عبدالحکیم بن المصطفیٰ الآرداسی (ترکی) کے قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ کے بعد اسلامی کتب میں سب سے افضل کتاب مکتوباتِ امام ربّانی ہے جس کی صفحہ ہستی پر کوئی مثل نہیں“
ان خطوط کو ”مکتوباتِ امام ربّانی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اکرم ورک نے ”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ“ کے دعوتی منہج و اسلوب“ کے عنوان پر مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دعوتی تحریک تاریخِ اسلام کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالمِ اسلام کو متاثر کیا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اکبر کے انتقال کے ساتھ ہی ”دینِ الہی“ بھی موت کی وادی میں داخل ہو گیا، بدعات کا سیلاب رک گیا، اور لوگوں کا رسالتِ محمدی کی ابدیت پر ایمان مستحکم ہوا۔ حضرت مجددؒ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے ہر طرح کے مصائب و آلام کو برداشت کیا اور نبوی اسلوبِ دعوت کو اپنے عمل سے زندہ کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد جی سی یونیورسٹی فیصل آباد نے ”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیمی نظریات“ کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے متعدد مکتوبات کا ذکر کیا اور آخر میں منتخب مکاتیب کے اقتباسات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت

امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جمیع اقسام علم میں سے علم شریعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کوئی بھی علم جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مخالف ہے وہ علم مذموم ہے اگر کسی علم کا کسی بھی طرح سے اسلام کے ساتھ تعلق ہے تو اس کا حاصل جائز ہے

کسی بھی شخص کو اس کی دینی حالات کے مطابق جن علمی کتب کی ضرورت ہو اسے انہیں کتب کو پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ دیگر کتب خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہوں اس کے لیے درست نہیں

آپ کی تعلیمات کے مطابق علم شریعت ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے کسی بھی قسم کا علم اگرچہ وہ علم لدنی ہی کیوں نہ ہو اس کے صحیح ہونے کا معیار علم شریعت ہے آپ کے نزدیک علم کے حصول کے دو بڑے درجے ہیں۔ علم ظاہر یعنی شرائع و احکام کا علم جب کہ رسوخ فی العلم وہ درجہ ہے جس میں کوئی شخص قرب الہی کا وہ مقام حاصل کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ براہ راست اس کے دل میں علوم و معارف اتارتا ہے۔

علم جو اللہ تعالیٰ کی اہم صفت ہے جو لوگ اس صفت الہی سے جس قدر متصف ہوتے ہیں ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ہی بلند ہوتا ہے بشرطیہ کہ ان میں دنیاوی حب و جاہ کی بجائے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو۔

استاذ العلماء جناب علامہ محمد شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند لیب جناب ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی نے ”رسالہ تہلیلیہ کا اسلوب نگارش“ کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شرح و توضیح پر مشتمل ”رسالہ تہلیلیہ“ امام ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے عربی رسائل میں ایک ہے اور کلمہ طیبہ یا فقط اسم جلالت کا ورد اہل طریقت کا محبوب و مرغوب معمول ہے۔

حضرت مصنف ایسے صاحب حال و قال تھے کہ یہ صرف آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر میں گزرا بلکہ آپ کی براہ راست تعزیت اور آپ کے خلفاء اور نقشبندی مشائخ کے زیر اثر لاکھوں افراد کا اللہ رب العزت کے ساتھ زندگی کا تعلق مضبوط ہوا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عربی زبان سے تعلق کے حوالے سے فاضل مقالہ نگار نے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے غیر عربی ماحول میں قیام کے باوجود عربی زبان میں رسالہ تحریر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی میں ایسی مہارت عطا فرمائی تھی جو برصغیر میں کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ اکثر علماء عربی عبارات سمجھتے لیتے ہیں اور عربی میں لکھی گئی کتب نہایت عمدگی سے پڑھا بھی لیتے ہیں لیکن عربی میں مافی الضمیر کا اظہار کرنا ہر عربی جاننے والے کے بس میں نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے وہ جسے چاہتا اسے عطا فرما دیتا ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد افتخار احمد خان نے ”شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا عربی اسلوب نگارش“ کے عنوان پر مقالہ پیش کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں عربی عبارات پیش کیں جس سے حاضرین مجلس نے ایک خاص کیف حاصل کیا۔ فاضل مقالہ نگار نے چیدہ نکات پیش کرتے ہوئے کہا کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات، فارسی ہوں یا عربی، فن کے کمال کو پہنچے دکھائی دیتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ نہایت مشتاق لکھاری اپنی مہارت و کاریگری سے الفاظ کے موتی بکھیرتا اور پروتا چلا جاتا ہے بکھیرتا تب ہے جب ان بکھرے موتیوں کی ضرورت ہو اور پروتا تب ہے جب ان بکھرے موتیوں کو حسن و خوبی سے ہار کی طرح پرونے کی ضرورت ہو۔

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد صاحب نے ”معارف (اعظم گڑھ)“ میں تذکارِ مجدد کے عنوان پر تحقیقی اور دلچسپ مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسلامیان ہند کے فکری معماروں میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے کارہائے نمایاں جس قدر وقیع، ہمہ جہت ہیں، اسی قدر موثر بھی ہیں۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ بالخصوص اور عالم اسلام بالعموم آپ حضرات کے فکری، علمی روحانی کمالات اور فیوض و برکات سے مستفید ہوئی اور ایک جہاں کو متاثر کیا۔

اہلسنت کے تقریباً تمام ہی مکاتب فکر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا، اور آپ حضرات کی فکر و دانش، علمی و تحقیقی نگارشات اور روحانی کمالات کو عام کرنے اور اسے عوام الناس تک موثر اسلوب میں پہنچانے کا اہتمام کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و فکری خدمات اور آپ کے خانوادوں کی فکر و دانش کو عام کرنے میں بطور خاص جن رسائل و مجلات نے نمایاں خدمات سرانجام دیں ان میں ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ماہنامہ الرحیم حیدر آباد سندھ، الولی، حیدر آباد سندھ، ماہنامہ نور اسلام شرق پور شریف اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ شامل ہیں۔

یہ سالانہ عظیم الشان ”امام ربّانی کانفرنس“ زیر صدارت مخدوم اہلسنت سفیر افکار امام ربّانی، شیخ طریقت، حضرت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اور زیر اہتمام اراکین مجدد الف ثانی سوسائٹی لاہور و شیر ربّانی اسلامک سنٹر سمن آباد

لاہور ۲۲ فروری ۲۰۰۹ء بروز اتوار بوقت 2 بجے بعد دوپہر کانفرنس ہال، ہمدرد مرکز لٹن روڈ میں منعقد ہوئی۔ چونکہ ان دنوں حضرت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ شدید علیل تھے اور کم وبیش 18 یوم فاطمہ میموریل ہسپتال لاہور میں زیر علاج رہنے کے بعد فوراً اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے لیکن شدید کمزوری کے باعث آپ کو وہیل چیئر پر ہی بیٹھنا پڑا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے عقیدت اور احترام کا یہ عالم تھا کہ آپ نے وہیل چیئر کے ساتھ سٹیج پر بیٹھنا گوارہ نہ کیا اور سٹیج کے ایک جانب کمال عجز و انکساری سے تحقیقی مقالات سماعت فرماتے رہے جس سے مقالہ نگاران کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ فکر امام ربّانی کو پھیلانے کے جذبہ کو بھی تقویت ملتی رہی۔ شرکاء مجلس جہاں ”تحقیقی مقالات“ سے محفوظ ہو رہے تھے اور فیض مجدد حاصل کر رہے تھے وہاں حضرت صوفی صاحب کی زیارت سے بھی بہر مند ہو رہے تھے۔ فاضل مقالہ نگاراں / مقررین آپ کی محنت اور ہمت پر رطب اللسان تھے اور محفل کے حسن انتظام اور عقیدت مندوں کی مخلصانہ کاوشوں کے پیچھے حضرت صوفی صاحب کی حسن تربیت پر تعریفی کلمات پیش کئے۔

جناب حافظ قاری یلین صاحب نے تلاوت قرآن حکیم سے اس روحانی و علمی محفل کا آغاز فرمایا۔ حافظ محمد شاہد نے بحضور سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ ہدیہ نعت پیش کی جبکہ جناب اصغر علی نقشبندی نے کلام اقبال بحضور حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد جناب جمیل اطہر سرہندی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کیے۔ مقالہ نگاران میں جناب ڈاکٹر ظہور احمد اطہر، جناب ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، جناب پروفیسر قاری مشتاق احمد، جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی، جناب ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس

شمس، جناب پروفیسر راغب الیاس شاہ، جناب ڈاکٹر محفوظ احمد، جناب پروفیسر محمد عظیم فاروقی، جناب پروفیسر محمد اکرم ورک، جناب ڈاکٹر حافظ محمد سجاد احمد، جناب ڈاکٹر افتخار احمد خان سیٹج کی ذینت بنے رہے جبکہ راقم الحروف نے سیٹج سیکرٹری کے فرائض انجام دینے کا شرف حاصل کیا۔

جناب پروفیسر قاری مشتاق احمد صاحب ڈائریکٹر شیر ربّانی اسلامک سنٹر سمن آباد لاہور اور جناب جمیل اطہر سرہندی (موجودہ صدر مجدد الف ثانی سوسائٹی لاہور، سرپرست انجمن غلامانِ مصطفیٰ جامع مسجد قادریہ شیر ربّانی ۲۱-۱ یکٹر سکیم نیامزنگ سمن آباد لاہور) نے بارگاہِ ایزدی میں کلماتِ شکر ادا کیے اور معزز مقالہ نگاران / مقررین، مہمانانِ خصوصی اور شرکاءِ مجلس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پیغام کو عام کرنے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ آخر میں مفسر قرآن جناب پروفیسر قاری مشتاق احمد صاحب نے دعائے خیر کی اور مہمانانِ خصوصی اور شرکاءِ محفل کی مجددیہ لنگر سے بھرپور طریقے سے تواضع کی گئی اور اس طرح یہ پاکیزہ مجلس بحسن و خوبی اختتام کو پہنچی۔



Armaghan-e- Imam-e-Rabbani



Vol. 2

EDITOR:

Dr. Humayun Abbas

**Sher-e-Rabbani Publications
Lahore**